وانه لعلم للساعة فلا تمترن بها

الحمد للہ کہ درین ایام میمنت انجام کتاب لاجواب قاطع اعناق ملاحدہ

قل جاء الحق — مسمیٰ — وزهق الباطل

بالالهام الصحیح فی اثبات حیوة المسیح

سنہ ۱۳۱۱ھ

ان الباطل — آفتاب صداقت — کان زهوقا

از مولوی ابو الحسن پیر غلام مصطفی مصنف انوار محمدیہ

در مطبع وزیر ہند امرتسر طبع گردید

قیمت .... فی جلد .... بلا محصول ۱۲/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ہدی لمن الیہ مال وہاد وارشد الی فہم الحقائق لمن فی تحقیق الحق اشتد واد واشاد بذکر من جاد بالوصول الی لد قائق القرانیہ وفی رضاہ جاد ومن خاض فی اٰیاتہ خوض من لم ینب الیہ فہو ممن اناب الیہ صاد وعن سبیلہ صاد وفی بواد الحیرۃ کالحمار الحیدی حاد وذید عن حظیرۃ قدسہ اشد الذیاد ومن تنحی بسوادہ عن سواد عبادہ الصالحین فہو احری بان یسوّد وجہہ بالسواد کلا بان یسود ویساد ومن عاد لعصیانہ من ای عاد کان کما اعتاد عاد فقد عاد الی شر معاد والصلوۃ والسلام الاتمان الاکملان علی حبیبہ وصفیہ محمّد سیّد الانبیاء

سب تعریفیں ثابت ہیں خاص پروردگار کو جس نے راستہ دکھلایا اوسکو کہ جس نے اوسکی راہ نمائی کی جانب میلان کیا اور وہ راہ نمائی کی اوسنے حقائق کے سمجھنے کیطرف اُس شخص کو جو حق کی تحقیق میں مضبوط اور قوی ہوا اور دقائق قرآنیہ میں کامل الوصول اور اوسکی رضامندی مین جان نثار کرنے والیکا مرتبہ بلند کیا۔ جسنے اوسکی آیات میں خوض کیا مانند اُنکے خوض کے کہ جنھوں نے خدا کی طرف رجوع نہیں کیا۔ پس وہ شخص اُن لوگوں میں سے کہ جنھوں نے خدا کی جانب رجوع کیا ہے۔ سرکش اور متکبر ہے۔ خدا کی راہ سے مانع ہے۔ حیرت۔ گمراہی کی میدانوں مین وحشی گدھی کیطرح دور پڑا ہوا ہے۔ خداوند تعالی کی پاک بارگاہ سے مردود ہوا۔ جس شخص نے اپنے آپکو خدا کے نیک بندوں کی جم غفیر سے الگ کیا وہ روسیاہی کا مستحق ہے۔ سرداری کے قابل نہیں۔ جو شخص گناہوں پر خوگر ہوا۔ گو کسی قوم سے ہو جیسے خوگر ہوا تھا قوم عاد پس بلاشبہ بری انجام کیطرف لوٹا۔ اکمل اتم درود وسلام ہو حبیب خداوند تعالی کے برگزیدہ۔ پیادے پر۔ جنکا اسم شریف محمّد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو سردار ہیں انبیاء

والاولیاء من الاقطاب والاوتاد الذی تخضع دون سرادقات دولته القیاصرۃ والاکاسرۃ وکل منھم فی جنابه تاد وانقاد ومن تکبر واعرض عنه وفاد وعن استماع مواعظه اضفاد فقد اباده الله فباد وکاد ان یکادد ار البوار یوم التناد وعلی آله وصحبه الذین ھم خزنۃ اسرار الدین المتین وباتباعھم ساد من ساد وبشقاقھم وخلافھم زاغ عن الصراط السوی من زاغ ووقع فی الالحاد وفسد قلبه اشد الفساد کفساد طعام داد وبعد فیقول الراجی للترقی الی اوج القبول محمد غلام رسول الحنفی[ل] المجددی النوری القاسمی[ع] حفظه الله عن شر کل لئیم غبی غوی انه لبالکرم الصلا

اولیاء کے اقطاب۔ اوتاد میں سے وہ نبی کہ جنکی سلطنت کی پردوں کے نیچے شہنشاہ عاجزی کرتے ہیں۔ ہر ایک نے انہیں سے اُنکی جناب میں نرمی کی۔ جسنے السے مونہہ پھیرا اور متکبرانہ ناز کیا۔ جو انکی نصائح کے سننے غصہ سے پھولا۔ بالتحقیق اسکو اللہ نے ہلاک کرڈالا۔ پس ہلاک ہوا۔ قریب ہے کہ جہنم میں قیامت کے دن گریگا۔ درود وسلام ہو حبیب اُنکی قوم اور یاروں پر جو محکم دین کے اسرار کے خزانچی ہیں۔ انھی کی تابعداری سے سرداروں نے سرداری پائی۔ اِنکے خلاف کرنے سے جو کجرو راہ مستقیم سے پہرا انھی کے خلاف سے ہے۔ بہیں سبب الحاد میں گرفتار ہوا۔ کرم خوردہ طعام کیطرح اس کا دل فاسد ہوا۔ بعد حمد وصلوۃ کے فرماتے ہیں جو امیدوار ہیں قبولیت کی بلندی پر چڑھنے کے جنکا نام نامی **محمد غلام رسول** ہے۔ مذہباً حنفی طریقۃً نقشبندی مجددی نوری عرفاً اور نسباً قاسمی ہیں۔ بچاوے اُنکو پاک پروردگار ہر لئیم کند فہم کج عقل اور بہکے ہوئے کے شر سے کہ جبکہ گمراہی۔

[ل] حضرت مصنف مد اللہ ظلہم شرب نقشبندی مجددی نوری رکھتے ہیں مجدد سے حضرت امام ربانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی جو مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور ہیں۔ مراد ہیں نوری سے حضرت عارف مشہور فی الآفاق مروج دین محمد حضرت خواجہ نور محمد الفاروقی المعروف بحضرت باباجی تیراہی مولداً چوراہی مدفناً مقصود ہیں قدس اللہ سرہما واوصل الینا برہما۔ [ع] قاسمی عرفاً یہ حضرات حضرت مصنف عفی عنہ کے اجداد عالیہ سے ایک عارف کامل ہیں جنکا نام نامی حضرت قاسم ابن عارف باللہ الجلیل حضرت بابا اسمٰعیل الہیائی رحمۃ اللہ علیہما ہے اور انہیں کے حق میں میر سعد اللہ شاہ آبادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے نیز دوست شیخ اسمٰعیل مردانہ براہ راست دلیل اور ان حضرت علیہ الرحمۃ کا ادبی ایک شعر اسلوی حضرت قاسم کر حضرت سعد الدین رحمۃ اللہ علیہ ہے اور تاریخ مذکور میں نسبت انکی لکھا ہے۔
[ھ] عارف وقت بود و مرد دلی + سعد بابائی احمد اکدلی +

Marfat.com

والطغیان والبغی والعدوان فی ھذا الزمان من اجل الذی خرج من قادیان وادعی انه المسیح الموعود به الاتی اخر الزمان وانه مات نبی الله عیسی بن مریم علی نبینا وعلیه الصلوٰة والسلام ما دام الملوان وتعاقب القمران وانه لم یرفع بجسده الی الخضراء فلا ینزل الی الغبراء واظھر عقائد الزنادقة ومکائد الملاحدة کل مطالبه ومطالب من یحذو حذو النعل بالنعل الا فساد فی البلاد وجل مآربھم افشاء التزندق واشاعة العقائد الخبیثة الکفریة بین العباد واذاعة الارتداد یدعون انھم ھم المھتدون والحال انھم عن الصراط لناکبون وانھم الذین امنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون فان ماتوا علی ذلك فھم فی جھنم خلدون تلفح وجوھھم النار وھم فیھا کالحون ویقال لھم الم تکن ایاتی تتلی علیکم فکنتم بھا تکذبون یخنعون بالسلف الصالحین خنعا ویحسبون انھم یحسنون صنعا ونحن بین اظھر قوم یسبون العلماء ویبغضون الفضلاء ھمتھم السب والشتم والطغیان وفی تفضیح الامرین الناھین اطالة اللسان لیس لھم من العقل سھم ولا بالدین

حق سے تجاوز کرنے کشی ظلم اس زمانہ میں بسبب اسکے جو قادیان سے ظاہر ہوا ہے" زیادہ ہوا۔ اسنے دعوی کیا کہ جس مسیح کی آمد کا آخری زمانہ میں وعدہ دیا گیا ہے وہ میں ہوں۔ دعوی کیا اسنے کہ مسیح علیہ السلام علی نبینا وعلیہ السلام مر چکے ہیں۔ نہ وہ بجسدہ آسمان پر چڑھائے گئے ہیں۔ اسلئے وہ زمین پر بھی نہیں اترینگے۔ اسنے بری عقائد ظاہر کئے۔ نہیں ہے اسکا ان لوگونکے جو اسکے مطابق ہیں مانند مطابقت نعل کے نعل کے ساتھ مقصود مگر آبادیوں میں بگاڑ۔ فساد ڈالنا۔ تزندق پھیلانا۔ پلید کفریہ عقائد کا درمیان بندگان خدا شائع کرنا انکا اعلی مطالب ہیں۔ انکا دعوی کہتے ہیں کہ ہم ہدایت یاب ہیں حالانکہ وہ سیدھی راہ سے برگشتہ ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان لایا انہوں نے پھر کفر کیا انھوں نے پس خداوند تعالی نے انکے دلوں پر مہر کردی ہے جس لئے سمجھتے نہیں ہیں اس عقیدہ پر اگر وہ مر گئے تو وہ جہنم میں ہمیشہ رہینگے۔ انکے مونہوں کو آگ جلا دیگی ہمیں تیور بد رہینگے کہا جائیگا انسے کیا تم پر نہیں پڑھی گئیں تھیں ہماری آیتیں پس تم انکو جھٹلاتے۔ بدگمانی کرتے اور سخت بدگمانی سلف صالحین کی نسبت کرتے ہیں۔ پھر گمان کرتے ہیں کہ ہم یہ کام اچھا کرتے ہیں ہم ایسی قوم کے درمیان ہیں کہ سب علما اور بعض فضلا جنکا پیشہ ہے سب و شتم طغیان انکا حرفہ ہے۔ ان لوگونکو حقیقین جو نیکی کا امر برائی سے منع کرتے ہیں فضیحت کرنیکے لئے زبان درازی کرنا انکا کام ہے۔ نہ تو انکو عقل سے حصہ نہ دین کی سمجھ ہے۔

Marfat.com

فهم لا يميزون بين القشر وبين اللباب ولا بين الدر وبين التراب ولا يفرقون بين الشمال واليمين ولا بين الشيخ والجنين فهم حائرون في اودية الظلم وضلال مبين الا يعلمون ان لعنة الله على الظالمين ولما بلغ الامر الى ما رأيت وانتهى الفساد الى ما نلوت ودريت التمس مني بعض الاحباب وخلص الاحباب ان اظهر فساد دلائل الكاديانى على دعواه من موت عيسى صلى الله وسلم على نبينا وعليه حين ما رفعه الله اليه واثبت حيوته بالآيات القرانية واكتفى بها من غير تعرض لذكر الاحاديث النبوية على صاحبها الف الف تحية لان الكاديانى واتباعه لا يعتقدونها ولا يدينون بها ومن غير تعرض لسائر عقائدهم الفاسدة الكاسدة والمزخرفات الواهية لعدم استهارها كاشتهار المسئلة الاولى ولعدم الفراغ لكثرة الاشتغال بمطالعة الكتب السالفة المتداولة والافتاء للمستفتين وتعليم الطلبة ولتنفر

پوست ۔مغز۔ موتی۔ مٹی میں امتیاز نہیں کرتے۔ شیخ۔ جنین و آہنی با آہنی میں فرق نہیں کر سکتے۔ ظلم۔ ظاہر گمراہی کے میدانوں میں وہ حیران ہیں کیا نہیں جانتے ہیں کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ جبکہ اس درجہ پر فساد پہونچا تو ہمسے بعض محبوں۔ دوستوں نے التماس کی کہ ہم کادیانی کی دلائل کا۔ جو اس نے اپنے دعوے (کہ مسیح علیہ السلام مرگئے ہیں اور صرف انکی روح مرفوع ہوئی ہے) پیش کئے ہیں۔ فاسد ہونا ظاہر کریں۔ ہم انکی حیات آیات فرقانیہ کے ساتھ ہی صرف استدلال کرکے ثابت کریں۔ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکے ثابت کرنے کے لئے نقل نہ کریں گے۔ اس لئے کہ دراصل کادیانی اور اسکے متبعین حدیث کو مانتے نہیں ہیں۔ بغیر اسکے کہ ہم بجز اس عقیدہ کے اسکے اور عقائد فاسدہ اور بلمعات واہیہ کی جانب التفاف کریں۔ کیونکہ وہ عقائد اسقدر مشہور نہیں ہوئے جیسا کہ پہلا مسئلہ شہرت پاگیا ہے[۲] چونکہ ہمکو بسبب اسکے کہ ہم کو کتب متداولہ قدیمہ کا مطالعہ۔ افتاء۔ تعلیم کا بہت شغل ہے فراغت نہیں ہے۔

[۱] کیونکہ اگر احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ذکر فرماتے تو زیادہ ہی طول ہوجاتا اسواسطے صرف قرآن کی آیات کے ساتھ مسیح علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت فرمایا ۱۲ مترجم [۲] واضح ہو کہ دراصل ایسے مسائل کربانی اور مجتہد ہیں سیپہ صاحب ہیں مگر کادیانی صاحب نے انھیں کو کچھ تبدل و تغیر دیکر ظاہر کیا۔ اور اپنا ہی اختراع جتلا کر انکی شہرت سے حصہ لیا ہاں انا مسیح کا دعوی ہی اس پر زیادہ کیا ۱۲ مترجم

الطبیعۃ عن التوجہ الی امثال ھٰذہ الخرافات ولکرھتہا الالتفات عن اشباہ ھٰذہ المزخرفات التی ھی کفریات صرفۃ وارتدادات محضۃ اعاذنا اللہ تعالیٰ واعاذ سائر المسلمین من شرور ھٰذہ الطائفۃ الباغیۃ الملاحدۃ خذلہم اللہ علیحدہ فاعتذرت منہم تارۃ بانصراف البال الی کثرۃ الاشغال وتارۃ بالتنفر عن صرف الاوقات فی الالتفات الی الزور الصریح من ھٰذا المقال فقدمت رجلا واخرت اخریٰ ومع ذالک لم یترکوا الی عذرًا وحملوا بہ علی جبرًا فاجبت مسؤلہم حسب ما التمسوا وانجحت مامولہم علیٰ ما اقترحوا فکتبت ھٰذہ الوریقۃ المختصرۃ وسمیتہا بالالہام الصحیح فی اثبات حیوۃ المسیح وذکرت فیہا دلائل الکادیانی مھذبۃ ومنقحۃ اولا ثم ازحتہا ثانیًا فوضح الحق الصریح وبطل ماکان یعمل الکائد والمکیدون فکبکبوا ونکسوا علیٰ رؤسہم ھم والغاوٗن وجنود ابلیس اجمعون فہا انا اشرع فی المقصود متمسکا بحبل اللہ الودود واقول ان الکائد استدل علی موت عیسیٰ علیہ السلام

نیز ہماری طبیعت کادیانی وامثالہ کے خرافات کی جانب توجہ کرنے سے متنفر۔ ایسے جھوٹ کلمات کی طرف (جو کفریات اور ارتدادات صرفہ ہیں) ملتفت ہونے کو مکروہ سمجھتی ہے ہمکو اور باقی مسلمانوں کو سرکش ملحد طائفہ کے ضرر سے خداوند تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ اسواسطے ہمنے ملتمسین سے عذربیان کئے اولًا کہ ہم بہت اشغال میں مصروف ہیں ثانیًا کہ ہم ایسے کلمات کیطرف جو صریح جھوٹ ہیں التفات نہیں چاہتے ہیں۔ پس ہم ایک پاؤنکو آگے کرتے اور ایک کو پیچھے ہٹاتے ہیں[1] باوجود اسکے ملتمسین نے کوئی عذر مسموع نہیں کیا۔ انھوں نے ہمکو حیات مسیح علیہ السلام کی ثابت کرنے پر مجبور کیا۔ لہٰذا ہمنے انکے سوال کو قبول کیا جسطرح پر کہ انہوں نے التماس کیا تھا۔ ہمنے انکی امید براری کی جس طریق پر انھوں نے چاہا تھا۔ یہ چند ورقہ مختصر طور پر ہمنے لکھے۔ اس کتاب کا نام الالہام الصحیح فی اثبات حیات المسیح رکھا۔ اول ہمنے کادیانی کے دلائل کی حتی الوسع اصلاح اور تہذیب اور اچھی تنقیح کی بعد ازاں اسکے دلائل کی تردید۔ تکذیب عمدہ طور پر لکھی۔ پس صریح طور پر حق واضح ہوا مکاروں۔ فریبیوں کا کام باطل ہوا۔ لہٰذا وہ لوگ اور انکی گروہ جو گمراہ ہے۔ شیطانی لشکر ہیں تمام سرنگون ہوئے۔ خبردار رہو کہ ہم پروردگار کی مہربانی پر بھروسا کرکے مطلب شروع کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کادیانی حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ

[1] عرب کا محاورہ ہے کہ جب کسی کام کا کرنا کبھی چاہتے ہیں اور کبھی نہیں چاہتے تو یہ جملہ کہدیتے ہیں ۱۲ مترجم

Marfat.com

بقوله تعالى وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم تقريراستدلاله وتقديره ان خلت بمعنى ماتت والرسل جمع معرف بلام الاستغراق فلذا فرع عليه افائن مات الخ اذ لو لم يكن الخلو بمعنى الموت او لم تكن الرسل جمعا مستغرقا لما صح التفريع اذ صحته موقوفة على اندراج نبينا صلى الله عليه وسلم فى لفظ الرسل المذكور قطعا وذلك بالاستغراق وكذا صحته موقوفة على كون الخلو بمعنى الموت اذ على تقدير التغائر وعموم الخلو من الموت يلزم تفريع الاخص على الاعم مع ان التفريع يتعقب استلزام ما يتفرع عليه للمتفرع ومن المعلوم عدم استلزام الاعم للاخص فالتفريع الواقع فى قوله تعالى يستدعى تحقق كلا الامرين من كون الخلو بمعنى الموت ومن كون الجمع مستغرقا وبعد كلتا المقدمتين

نہیں ہیں حضرت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مگر اللہ کے فرستادہ بلاشبہ آپسے پہلے پیغمبر گذرے ہیں کیا اگر آنحضرت صلعم مرجائیں یا مارے جائیں تو تم دین اسلام سے پھر جاؤگے۔ کادیانی کی استدلال کی تقریر اور صلاح یوں ہے کہ بتحقیق خلت بمعنی مرگئے ہے الرسل کا لفظ الف لام استغراق کے ساتھ معرفہ ہے اسیواسطے اسپر اَفَإِنْ مَاتَ متفرع ہوا۔ کیونکہ اگر خلت کا معنے موت نہ لیا جاوے یا الرسل جمع مستغرق نہ ہو تو اَفَإِنْ مَاتَ کا اسپر متفرع ہونا صحیح نہیں ہوگا وجہ یہ ہے۔ کہ اس تفریع کی صحت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے الرسل میں داخل ہونے پر موقوف ہے۔ اسمیں شبہ نہیں اور ظاہر ہے کہ نبی صلعم کا لفظ الرسل میں داخل ہونا تب ہی درست ہوگا جبکہ الرسل کا الف لام استغراقی ہوگا۔ ایسا ہی اس تفریع کی صحت اس پر موقوف ہے کہ خلو بمعنے موت ہو۔ اسلئے کہ اگر موت اور خلو کے درمیان غیریت سمجھیں۔ خلو کو موت سے عام لے لیں تو خاص کی تفریع عام پر لازم آویگی۔ حالانکہ یہ غلط ہے کیا معلوم نہیں کہ تفریع تب ہی درست ہوتی ہے کہ جب متفرع علیہ کو متفرع لازم ہو لاغیر۔ پر ظاہر ہے کہ خاص عام کو لازم نہیں ہے، پس ثابت ہوا کہ جو تفریع کلام الٰہی میں واقع ہے اسکے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک خلو بمعنے موت ہو۔ دوم الرسل کا جمع مستغرق ہونا۔ ان ہر دو مقدمتین میں سے ایک کو شکل اول کا صغریٰ۔ دوسرے کو کبریٰ بنا لینگے شکل یہ ہے کہ

سلہ جہاں کہیں حضرت مصنف علام مدظلہم نے تہذیب کا ذکر کادیانی کے استدلال میں فرمایا ہے اس سے اسکی طرف اشارہ ہے کہ کادیانی گو دلیل پیش کرنیکا ڈھب نہیں آیا ہے مگر ہم اسکے بدلہ اسکی دلیل کو سواریں گے ۱۲ مترجم

Marfat.com

الطبيعة عن التوجه الى امثال هذه الخرافات ولكر هتها الالتفات عن
اشباه هذه المزخرفات التي هي كفريات صرفة وارتدادات محضة اعاذنا الله
تعالىٰ واعاذ سائر المسلمين من شرور هذه الطائفة الباغية الملاحدة خذلهم
الله علىٰ حدة فاعتذرت منهم تارة بانصراف البال الى كثرة الاشغال وتارة بالتنفر
عن صرف الاوقات في الالتفات الى الزور الصريح من هذا المقال فقدمت رجلا
واخرت اخرى ومع ذلك لم يتركوا لي عذرا وحملوا بي علىٰ جبرا فاجبت مسئولهم
حسب ما التمسوا وانجحت مامولهم علىٰ ما اقترحوا فكتبت هذه الوريقة المختصرة
وسميتها بالالهام الصحيح في اثبات حيوة المسيح وذكرت فيها دلائل الكاديانى مهذبة
ومنقحة اولاً ثم ازحتها ثانياً فوضح الحق الصريح وبطل ما كان يعمل الكائد والمكيدون
فكبكبوا ونكسوا علىٰ رؤسهم هم والغاون وجنود ابليس اجمعون فها انا اشرع في المقصود
متمسكا بحبل الله الودود واقول ان الكائد استدل علىٰ موت عيسىٰ عليه السلام

نیز ہماری طبیعت کادیانی وامثالہ کے خرافات کی جانب توجہ کرنے سے متنفر۔ ایسے جھوٹ کلمات کی
طرف (جو کفریات اور ارتدادات صرفہ ہیں) ملتفت ہونے کو مکروہ سمجھتی ہے ہمکو اور باقی مسلمانوں کو
سرکش ملحد طائفہ کے ضرر سے خداوند تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ اسواسطے ہمنے ملتمسین سے عذر بیان کئے اولاً
کہ ہم بہت اشغال میں مصروف ہیں ثانیاً کہ ہم ایسے کلمات کیطرف جو صریح جھوٹ ہیں التفات نہیں چاہتے
ہیں۔ پس ہم ایک پاؤنکو آگے کرتے تھے۔ دوسرے کو پیچھے ہٹاتے تھے[1] باوجود اسکے ملتمسین نے کوئی عذر مسموع نہیں کیا۔
انہوں نے ہمکو حیات مسیح علیہ السلام کو ثابت کرنے پر مجبور کیا۔ لہذا ہمنے انکے سوال کو قبول کیا جسطرح پر کہ انہوں نے
التماس کیا تھا۔ ہمنے انکی امید براری کی جس طریق پر انھوں نے چاہا تھا۔ یہ چند ورقہ مختصر طور پر ہمنے لکھے۔ اس
کتاب کا نام الالہام الصحیح فی اثبات حیات المسیح رکھا۔ اول ہمنے کادیانی کے دلائل کی حتی الوسع اصلاح
اور تہذیب اور اچھی تنقیح کی بعد ازاں اسکے دلائل کی تردید۔ تکذیب عمدہ طور پر لکھی۔ پس صریح طور پر حق واضح ہوا
مکاروں۔ فریبیوں کا کام باطل ہوا۔ لہذا وہ لوگ اور انکی گروہ جو گمراہ ہے۔ شیطانی لشکر ہیں تمام سرنگون ہوئے۔
خبردار رہو کہ ہم پروردگار کی مہربانی پر بھروسا کرکے مطلب شروع کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کادیانی حضرت مسیح علیہ السلام
کی وفات پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ

[1] عرب کا محاورہ ہے کہ جب کسی کام کا کرنا کبھی چاہتے ہیں اور کبھی نہیں چاہتے تو یہ جملہ کہدیتے ہیں ۱۲ مترجم

بقوله تعالى وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم تقريرا استدلاله وتهذيبه ان خلت بمعنى ماتت والرسل جمع معرف بلام الاستغراق فلذا فرع عليه افائن مات الخ اذ لو لم يكن الخلو بمعنى الموت او لم تكن الرسل جمعا مستغرقا لما صح التفريع اذ صحته موقوفة على اندراج نبينا صلى الله عليه وسلم في لفظ الرسل المذكور قطعا وذلك بالاستغراق وكذا صحته موقوفة على كون الخلو بمعنى الموت اذ على تقدير التغائر وعموم الخلو من الموت يلزم تفريع الاخص على الاعم مع ان التفريع يتعقب استلزام ما يتفرع عليه للمتفرع ومن المعلوم عدم استلزام الاعم للاخص فالتفريع الواقع في قوله تعالى يستدعي تحقق كلا الامرين من كون الخلو بمعنى الموت ومن كون الجمع مستغرقا وبعد كلتا المقدمتين

نہیں ہیں حضرت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مگر اللہ کے فرستادہ بلاشبہ آپ سے پہلے پیغمبر گذرے ہیں کیا اگر آنحضرت صلعم مرجائیں یا مارے جائیں تو تم دین اسلام سے پھر جاؤ گے۔ کادیانی کی استدلال کی تقریر اور اصلاح یوں ہے کہ بتحقیق خلت کا معنی مرگئے ہیں الرسل کا لفظ الف لام استغراق کے ساتھ معرف ہے اسیواسطے اسپر اَفَاِنْ مَاتَ متفرع ہوا۔ کیونکہ اگر خلو کا معنے موت نہ لیا جاوے یا الرسل جمع مستغرق نہو تو اَفَاِنْ مَاتَ کا اسپر متفرع ہونا صحیح نہیں ہوگا وجہ یہ ہے۔ کہ اس تفریع کی صحت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے الرسل میں داخل ہونے پر موقوف ہے۔ اسمیں شبہ نہیں اور ظاہر ہے کہ نبی صلعم کا لفظ الرسل میں داخل ہونا تب ہی درست ہوگا جبکہ الرسل کا الف لام استغراقی ہوگا۔ ایسا ہی اس تفریع کی صحت اس پر موقوف ہے کہ خلو معنی موت ہو۔ اسلئے کہ اگر موت اور خلو کے درمیان غیریت سمجھیں۔ خلو کو موت سے عام لے لیں تو خاص کی تفریع عام پر لازم آویگی۔ حالانکہ یہ غلط ہے کیا معلوم نہیں کہ تفریع تب ہی درست ہوتی ہے کہ جب متفرع علیہ کو متفرع لازم ہو لاغیر۔ پر ظاہر ہے کہ خاص عام کو لازم نہیں ہے، پس ثابت ہؤا کہ جو تفریع کلام الٰہی میں واقع ہے اسکے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک خلو بمعنے موت ہو۔ دوم الرسل کا جمع مستغرق ہونا۔ ان ہر دو مقدمتین میں سے ایک کو شکل اول کا صغرا۔ دوسرے کو کبرا بنا دینگے شکل یہ ہے کہ

سلہ جہاں کہیں حضرت مصنف علام مدظلہم نے تہذیب کا ذکر کادیانی کے استدلال میں فرمایا ہے اس سے اسکی طرف اشارہ ہے کہ کادیانی کو گو دلیل پیش کرنیکا ڈھب نہیں آیا ہے مگر ہم اسکے بدلہ اسکی دلیل کو سواریں گے ۱۲ مترجم

يقال ان المسيح رسول وكل رسول مات وينتج هذا القياس المؤلف من المقدمتين القطعيتين ان المسيح مات وهو المطلوب[1] والدليل على الصغرى قوله تعالى ورسولاً الى بني اسرائيل وقوله تعالى ما المسيح بن مريم الا رسول وامثالهما من الآيات وتسليم جميع الفرق الاسلامية برسالته عليه السلام والدليل على الكبرى المقدمتان الممهدتان المذكورتان لانه متى كان الخلو بمعنى الموت وقد استد الى الرسل وثبت كونه جمعاً فيندرج فيه المسيح عليه السلام قطعاً فيلزم ثبوت الموت له في ضمن الكبرى فثبت ما يصدده الكيدبون ويزاح بمنع كلتا المقدمتين وبمنع لزوم استحالة عدم صحة التفريع على تقدير ارتفاع كليتهما او احدهما حقيقة كما فهموا وزعموا وبكونها مشترك الورود مطلقا بحسب الظاهر سلمت المقدمتان كلتاهما او منعتا وسند المنع الاول ان الخلو هو المضي

مسیح علیہ السلام بے شک رسول ہیں۔ ہر رسول مر گئے ہیں۔ اب اس شکل سے جو دو یقینی مقدمتین سے مؤلف ہے یہ نتیجہ نکلیگا۔ بے شک مسیح علیہ السلام مر گئے۔ یہی مطلوب تھا صغرا[1] پر دلیل یہ کلام الٰہی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کیطرف فرستادہ ہیں۔ نیز یہ کلام ربانی جس کا معنے یہ ہے کہ نہیں ہیں مسیح بن مریم۔ مگر خداوند تعالےٰ کے فرستادہ۔ انکی مانند اور آیات بھی ہیں جن سے مسیح علیہ السلام کا رسول ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ کا رسول ہونا کل اہل اسلام کے اجماع سے ثابت ہے۔ کبرا کے لئے دلیل وہ دو مقدمہ ہیں جنکی تمہید اور اصلاح ہو چکی ہے۔ کیونکہ جب خلو بمعنے موت ہوا اور اسکی نسبت الرسل کی جانب کی گئی۔ اور الرسل کا جمع ہونا ثابت ہوا تو مسیح علیہ السلام کا الرسل میں داخل ہونا یقیناً سمجھنا پڑیگا جبھی مسیح علیہ السلام کی موت کا کبرا کی ضمن میں ثابت ہونا لازم آویگا۔ بس کلادیانیوں کا مطلب پایۂ ثبوت تک پہونچا۔ اس استدلال کی تردید و ازالہ یوں ہے کہ یہ دونوں مقدمہ جو کبرا کیلئے دلیل بنائے گئے ہیں مُسلّم نہیں ہیں۔ عدم صحت تفریع کا استحالہ اسصورت میں کہ دونو مقدمہ یا ایک نہ پایا جائے نیز مسلّم نہیں۔ ہم اس استدلال کو اسطرح بھی توڑینگے کہ یہ استحالہ ہر حال لازم آویگا خواہ وہ دونوں مقدمہ مان لئے جائیں یا نہ اب پہلے منع کی سند سنتے جائیں کہ خلو کا معنے گذرنا ہے۔

[1] صغرا یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام رسول ہیں۔ کبرا یہ ہے کہ ہر رسول مر گیا۔ الرسل کا جمع مستغرق ہونا یعنی ہر کہ اس سے تمام پیغمبر آدم علیہ السلام سے جناب رسول اکرم تک مراد رکھے جائیں ۱۲ مترجم

كما فسره ارباب اللغة واطالة الكلام بالنقل من كتب اللغة لا يليق بهذا المختصر
ولتيسر الاستغناء بمطالعتها ولم يفسر احد من ارباب اللغة لفظ الخلو بالموت فعلم
ان حقيقته اللغوية انما هي المضي لا غير كيف لا وقد تايد باسناد الخلو الى
المنافقين في قوله عز وجل واذا خلوا الى شياطينهم وفي قوله تعالى واذا خلا بعضهم
الى بعض وعدم ارادة موتهم بهذا اللفظ ظاهر واسند الخلو الى السنن وقيل قد خلت
من قبلكم سنن والى الايام كما في سورة الحاقة في قوله عز وجل كلوا واشربوا هنيئا
بما اسلفتم في الايام الخالية ولا يتصور ان يراد موت السنن والايام مع تقابل مضيها
وهذا ظاهر لا يخفى على احد فتفسيرك او بالموت تعريف له بالاخص والاخفى فان الموت
نوع منه والخلو

چنانچہ کتب لغات میں خلو کی بھی تفسیر موجود ہے ہم انکی نقلیں اسواسطے پیش نہیں کرتے کہ وہ
باعث طول ہے۔ اور یہ کتاب مختصر ہے۔ نیز جس کو علم سے کچھ تھوڑا بھی مس ہو وہ بھی کتب لغات
کا ملاحظہ کر سکتا ہے۔ لیکن یہ تو ضرور کہدینگے کہ خلو کا معنے کسی اہل لغت نے موت نہیں لکھا ہے
پس اس سے معلوم ہوگیا ہے کہ اصلی اور حقیقی معنے خلو کا بجز گذرنے کے اور کچھ نہیں ہے۔ ایسا کیوں
نہو حالانکہ یہ صریح ہے اس سے کہ قرآن شریف میں خلو کی منافقین کیطرف اس آیت میں نسبت
کی گئی ہے۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے جب منافقین اپنے شیاطین کے پاس گذرتے اور جاتے ہیں
نیز جب منافقین میں سے بعض لوگ دوسرے منافقین کے پاس گذرتے اور جاتے ہیں اسیطرح خلو کی
قرآن شریف میں سنن کیطرف نسبت کی گئی ہے۔ دیکھو اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ تم سے پہلے سنن
گذرے ہیں اور دوسری آیت میں دنوں کی طرف اسکی نسبت ہے۔ دیکھو سورۃ الحاقہ میں ارشاد ہے کہ کھاؤ
پیو بسبب اسکے کہ تم نے گذرے ہوئے دنوں میں آخرت کیلئے آگے ہی نیک اعمال کئے ہوئے تھے۔
پس قرآن سے بھی ثابت ہوا ہے کہ خلو کا معنے موت نہیں ہے بلکہ اسکا معنے گذرنا اور جانا ہے۔
لہذا اب مقصود نہیں ہے کہ خلو کا معنے موت لیا جاوے بلکہ بالضرور اس کا معنے [illegible]
مخفی نہیں ہے۔ پس خلو کو موت کے ساتھ تفسیر کرنا بعینہ اخص کے ساتھ تفسیر کرنا ہے اسلئے کہ موت
خلو کا ایک قسم ہے

يشتمل على الانتقال المكاني بجميع اصنافه سواء كان ذلك الانتقال من الاعلى الى الاسفل ويسمى ذلك خفضا او من الاسفل الى الاعلى ويسمى ذلك رفعا او من القدام الى الخلف او بالعكس ويشتمل على الموت بالجرح الذى هو القتل وعلى الموت بلا جرح فلا يلزم موت المسيح عليه السلام وان سلم الاستغراق فان ثبوت الاعم كالخلو مثلا وان كان لكل فرد فرد من نوع ما كنوع الرسل مثلا لا يستلزم ثبوت كل ما يندرج فيه من انواع ذلك الاعم لكل فرد فرد من ذلك النوع كما لا يخفى على من له ادنى دراية والتمسك على تفسيره بالموت دون المضى بلزوم استحالة تفرع الاخص على الاعم مزيف بان المتفرع فى الحقيقة انما هو استبعاد الانقلاب وانكار جواز الارتداد على تقدير فقدان وجود الرسول صلى الله عليه وسلم من بين اظهر القوم بعد اداء الرسالة وتبليغ الاحكام الالهية فكان تقدير الكلام وما محمد الا رسول قد خلت اى مضت من قبله الرسل فهل يجوز لكم الارتداد بعد ما اقام لكم الدين المتين واظهر بينكم الشرع المبين ان نقل بالرفع كما رفع عيسى (هذا بالاجماع) او ادريس او بالموت كما حكم به

گذرنا ہر ایک قسم کے انتقال مکانی پر صادق آتا ہے اگر بلندی سے پستی کی جانب انتقال ہو تو اس گزرنے کا نام خفض۔ اگر پستی سے بلندی کی طرف انتقال ہو تو اس گذرنے کا نام رفع ہے۔ یا قدام سے خلف کی جانب یا برعکس اسکے ہو اسکو شامل ہے۔ موت کے ہر قسم کو خواہ جرح سے یا بلا جرح ہو۔ پس گو ہم الرسل کو جمع مستغرق ہونیکو مان ہی لیں تو بھی مسیح کا مرجانا لازم نہیں آتا کیونکہ خلوا ورگزرنا جو ایک عام چیز ہے گو نوع رسول کے ہر ہر فرد کو ثابت ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس امر عام کا ہر ہر قسم بھی نوع رسول کی ہر ہر فرد کو ثابت ہو۔ یہی بات کہ اگر خلو کی تفسیر موت سے نکیجاوے تو اخص کی تفریع اعم پر لازم آویگی نیز مردود ہے۔ اسواسطے کہ انقلاب کا بعید سمجھنا اور ارتداد کے جواز کا انکار در اصل متفرع ہے۔ مگر آنحضرت صلعم کے قوم کے درمیان بعد ادا رسالت موجود نہونے کی تقدیر پر۔ پس ماحصل اس آیت کا یہ ہوا کہ نہیں ہیں آنحضرت صلعم محمد اللہ کے رسول بلاشبہ آپسے پہلے رسول گذرے ہیں۔ پھر کیا جائز ہے تمہارے لئے دین سے پھر جانا۔ اگر وہ منتقل کئے جاویں اسطرح پر کہ آسمان پر اوٹھائے جاویں جیسے کہ مسیح (یہ بات بالاجماع ثابت ہے) یا جسطرح ادریس علیہ السلام آسمان پر چڑھائے گئے۔ یا اگر انکا انتقال موت سے ہو چنانچہ یہی انکی نسبت علم ازلی میں مقرر تھا۔

فی سابق علمنا او بالقتل کما صاح به الشیطان واستقر فی قلوبکم والتصریح بالثانی
موافقۃ للواقع ومطابقۃ لتقدیر اللہ تعالیٰ وذکر الثالث وانہ لم یطابق الواقع والتقدیر
مراعاۃ لزعمہم وتوسیعا لنفی جواز الارتداد علی کلا الشقین وان کان ھذا الثالث
مزعوما محضا وجھلا مرکبا الا انہ لما کان قوی الاحتمال وکثر وقوعہ بین الانبیاء
السابقین کما دل علیہ قولہ عزوجل یقتلون النبیین بغیر الحق فکان ذکرہ ضروریا
وعدم التصریح بالاول وان کان مفقدا امرا لا انتفاء ما یوجب ذکرہ من الموجبات
المذکورۃ لظہور عدم توافقہ القضاء والواقع ولعدم استقرارہ فی قلوبہم وشدۃ وقوعہ
تقدمہ فظہر ان المتفرع فی الحقیقۃ ھو نفی جواز الارتداد علی تقدیر احد الشقوق
الثلثۃ المصدرۃ وذلک الامر الدائر بین الثلاثۃ مساو للخلو بمعنی المضی فلا یلزم تفریع الاخص
علی الاعم علی تقدیر کون المعنی الحقیقی مرادا من لفظ الخلو بل یلزم تفریع احد المساویین

یا انکا انتقال شہادت سے ہو چنانچہ اس قسم کی آواز شیطان نے دی تھی[1] اور تمہی اسپر یقین کر لیا تھا۔ ثانی یہ کا
ضروری البیان ہو کہ آیت میں موت اور قتل کا صریح ذکر کیا گیا ہے نہ رفع کا سو واضح رہے کہ موت کی تصریح کی توجیہ
کروہی انکی حقیقی تقدیر الہی اور واقع کے مطابق تھی قتل کی تصریح صرف انکے زعم فاسد کی رعایت سے ہے نیز تاکہ دونوں
تقدیر پر (موت اور قتل) سمجھ جائیں کہ دین سے پھر جانا ناجائز ہے۔ انکا مقتول ہونا۔ گو انکا زعم ہی زعم
تھا۔ لیکن چونکہ انبیا سابقین بہت سے مقتول ہو چکے تھے (دیکھو خداوند فرماتا ہے کہ انھوں نے پیغمبروں
کو ناحق قتل کر دیا ہے) تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہ گمان قوت پکڑ گیا تھا۔ اسواسطے
آیت مذکورہ میں قتل کا ذکر کرنا ضروری تھا۔ رہا یہ کہ رفع کا ذکر نہیں ہوا۔ با وجودیکہ عبارت میں مقصود ہے۔
سو واضح ہو کہ اسکی تصریح بچند وجہ ضروری نہیں تھی۔ اولاً کہ انکا مرفوع ہونا تقدیر اور واقع کے مطابق نہیں تھا۔
دوم کہ اس قسم کا خیال مخالفین کو نہیں تھا۔ سوم آپ سے پہلی رفع نادر الوقوع تھا۔ بنا بر علیہ ثابت ہوا کہ ہر تینوں تقدیروں
پر (موت۔ قتل۔ رفع) جواز الارتداد کا انکار ہی متفرع ہے لاغیر۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ انقلاب
دائرہ خلو کے ساتھ (جب انکا حقیقی معنی گزرنا ہو) مساوی ہے اسلئے اسکا [illegible]
اس صورت میں ایک مساوی کی دوسرے مساوی پر تفریع ہوگی۔ اور یہ جائز ہے۔ نہ اخص کی [illegible]

---

[1] ایک جنگ میں شیطان نے آواز دی تھی کہ "ان محمدا قد قتل" حضرت مصنف علام نے اسی طرف اشارہ فرما دیا ہے ۱۲ مترجم

Marfat.com

على الاخر وذا جائز كما يقال رأيت زيدًا انه جسم نام حساس متحرك بالارادة مدرك
للكلي والجزئي فيفرع على هذا المفصل انه انسان ولا ارتياب في تساوي هذا
المجمل وذلك المفصل وفي صحة تفريع احدهما على الاخر والامران اللذان حكمنا
بمساواتهما وكون احدهما متفرعًا والاخر متفرعا عليه هو ثبوت خلو كل رسول
ونفي جواز الارتداد على تقدير تحقق واحد من المتفرق فان النسب انما تقتضي المفهومين
مطلقا اعم من ان يكونا وجوديين او سلبيين او يكون احدهما وجوديا والاخر سلبيا
ولا يلزم توافقهما في الثبوت او العدم والدليل على لزوم ذلك النفي للعنوان المقصود
من البعثة وارسال الرسل التشريع مطلقا وتعيين الطريقة الموصلة الى الله تعالى لا التشريع
الى زمان وجود الرسول بين اظهر قومه ولم يخل زمان من الرسل وذا باطل باتفاق من
اهل الملل فوضح بطلان زعم لزوم استحالة تفريع الاخص على الاعم على فرض ارادة المضي
من الخلو واما استدلال الصديق الاكبر على موت سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم

عام پر جیونا جائز ہے۔ دیکھو کہتے ہیں کہ ہمنے زید کو نشوونما پانے والا بالارادہ حرکت کرنے والا
کلیات وجزئیات کا ادراک کرنے والا جسم پایا ہے۔ پس اسپر تفریع کر سکتے ہیں کہ وہ
انسان ہے کیونکہ وہ مفصل اور یہ مجمل (انسان) آپس میں مساوی ہیں جن میں سے ہمنے ایک
متفرع اور دوسرے کو متفرع علیہ کہا ہے وہ یہ دو ہیں ہر رسول کا گزرنا۔ ہر ایک تقدیر پر جواز الارتداد
کی نفی کا سبب یہ کہ نسبتوں کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ دونوں وجودی یا دونوں
عدمی یا ایک وجودی اور دوسرا عدمی ہو۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ دونوں عدمی یا دونوں وجودی ہوں
باقیماندہ کہ ارتداد کی نفی خلو یعنے گذرنے کو کسطرح پر لازم ہے تو اس پر یہ دلیل ہے کہ اللہ جلشانہٗ نے
پیغمبروں کو صرف اسواسطے مبعوث فرمایا ہے۔ کہ تا مطلقا شریعت کو بیان کریں اور طریقہ کو جو اللہ تک پہونچانے
والا ہے معین کر دیویں اسواسطے مبعوث نہیں فرمایا کہ وہ اسی وقت تک شریعت کو ظاہر کریں کہ جبتک وہ قوم کے
درمیان موجود رہیں نہ لازم آویگا کہ کوئی زمانہ بھی رسول سے خالی نہو۔ حالانکہ یہ صریحًا اور بالاتفاق باطل ہے۔
اس سے واضح ہوگیا ہے کہ اخص کی تفریع عام پر (گو خلو سے گذرنا ہی مراد ہو) لازم نہیں آتی۔
ہاں یہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر

Marfat.com

بهذه الآية فليس موضع استشهاده رضی الله تعالی عنه فی هذه الآية کلمة خلت
بل قوله تعالی افائن مات لما انکر الفاروق العادل رضی الله تعالی عنه موت رسول الله صلی الله علیه وسلم
وقال ما مات رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا یموت وکان ذلک حین امنه بامتناع موته
صلی الله علیه وسلم فرد الصدیق رضی الله تعالی عنه ذلک الامتناع بقوله تعالی افائن مات
فان مدخول ان بحسب اصل الوضع لا یکون الا من الامور التی یجوز تقررها ویمکن
وجودها لا من الامور التی تابی عن التکون والتقرر وهذا واضح علی من طالع بحث معانی
الحروف فاذا ثبت جواز تقرر الموت علیه صلی الله علیه وسلم ارتفع الامتناع الذی هو
نقیضه ویدل علی کون موضع استشهاد سیدنا الصدیق رضی الله تعالی عنه قوله تعالی
افائن مات لا کلمة خلت قراءته رضی الله تعالی عنه حین الاستدلال قوله تعالی انک
میت وانهم میتون وتقریر الاخیر استدلالا لا یلیق منع المقدمة القائلة ان کل جمع معرف
باللام فهو مستغرق للافراد کلما یقال ان هذه المقدمة ممنوع کیف وقد صرح المحققون

آیت مذکورہ کو دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے تو انھوں نے تو لفظ خلت (گذر سے اور گئے) سے[1] مدعا ثابت
نہیں کیا بلکہ افائن مات (کیا پس اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مر جائیں) سے استدلال فرمایا ہے سبب یہ کہ حضرت
فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بعد موت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمایا تھا کہ آپ نہیں مرے اور نہ مریں گے
اور یہ اس خیال سے فرمایا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت جائز نہیں اور غیر ممکن ہے اسلئے حضرت صدیق
رضی اللہ عنہ نے آپکے اس خیال کے اٹھانے کے لئے اس آیت کو پڑھکر افائن مات سے استدلال فرمایا تو وہ اسطرح ہے کہ
دراصل مدخول ان کا وہ ہوتا ہے کہ جسکا پایا جانا واقع میں ممکن اور جائز ہو لاغیر چنانچہ یہ بات ان لوگوں پر
واضح ہے جو بحث معانی حروف پر آگاہ ہیں پس جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے موت کا ہونا ممکن اور جائز ہوا تو حضرت
فاروق اعظم کا خیال جو اسکے ناممکن ہونے پر جما ہوا تھا بالکل اٹھ گیا۔ یہ بات کہ صدیق اکبر نے افائن مات سے
استدلال فرمایا ہے اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس موقع پر حضرت صدیق اکبر نے یہ آیت بھی پڑھی تھی جسکا مضمون یہ ہے
کہ اے رسول اکرم تم اور وہ موت کا مزہ چکھنے والے ہیں۔ الحاصل یہ قول کہ ہر جمع جو معرف باللام ہو وہ تمام افراد کو شامل
ہوتا ہے مسلم نہیں ہے چنانچہ یہی محققین کی کتابوں میں مصرح ہے۔

[1] حضرت مصنف علام مدظلہم کی تقریر یہی ہے۔ اسلئے ہی کہ اگر خلت سے صدیق اکبر استدلال فرماتے تو لازم آتا کہ دعوی
خاص اور دلیل عام ہو۔ حالانکہ یہ باطل ہے عام اسواسطے کہ خلو کا معنی لغۃ وہی جو موت اور غیر موت کو شامل ہے ۱۲ مترجم

Marfat.com

بذلك في اسفارهم الا ترى الى قوله عز وجل واذ قالت الملئكة يا مريم ان الله يبشرك
الاية والى قوله تبارك وتعالى واذ قالت الملائكة يا مريم ان الله اصطفاك الاية فقد ذكرت
صيغة الملائكة وهي جمع معرف باللام ولم يرد الاستغراق وقال تعالى فسجد الملائكة كلهم
اجمعون فلو كان كل جمع محلى باللام مستغرقا لكان ذكر كلهم مستدركا ولو اردنا ان
نجمع الامثلة المثبتة لنقيض المقدمة الممنوعة لجمعنا دفاتر كبيرة ولكن العاقل الحازم يكفيه
ما ذكرنا من البيان والجاهل الهائم النائم لا يستيقظ بضرب السنان ومنع كلية المقدمة
يؤدي الى منع الكبرى الكلية من مقدمتي القياس الفاسد الكاسد للقادياني فلانتفاء شرط
الانتاج لا ينتج ذلك القياس قوله ان المسيح مات واما قولنا ان استدلاله عدم صحة
التفريع على منع الاستغراق غير وارد في الحقيقة لان المراد من قوله تعالى وما محمد الا
رسول قد خلت من قبله الرسل ان محمدا صلى الله عليه وسلم ليس الا بشرا رسولا

اسکی تائید قرآن حمید میں ہے"۔ ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ کہا فرشتوں نے مریم رض سے کہ اے مریم خداوند تعالے
بلاشبہ تمکو خوشخبری دیتا ہے۔ مریم سے فرشتوں نے کہا کہ اے مریم خداوند تعالے نے تجھکو برگزیدہ کیا ہے۔
اب دیکھو کہ ان آیات میں ملائکہ کا لفظ جمع اور معرف ہے معہذا تمام فرشتے مراد نہیں ہیں۔ ہمارے مدعا کو یوں بھی
تائید ملتی ہے کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا"۔ اسمیں بھی لفظ الملئکۃ سے تمام
فرشتے مراد نہیں لئے گئے۔ بلکہ یہ فائدہ لفظ کل اور اجمعون نے دیا ہے۔ ورنہ یہ لفظ بے فائدہ ٹھہریں گے لعیاذ باللہ
ایسا ہی بہت قرآنی مثالیں ہیں کہ جن سے مخالف کے برخلاف جمع معرف باللام استعمال کیا گیا ہے لیکن
چونکہ ان سب کا ذکر کرنا طول کا باعث ہے۔ اسی پر اکتفا کیا۔ نیز عاقل کو اتنا ہی کافی ہے جو ہمنے ذکر کیا ہے
جب یہ مقدمہ غیر مسلّم ہوا تو شکل مذکور کے کبرا کی کلیت بھی غیر مسلم ٹھری۔ پس یہ نتیجہ کہ مسیح علیہ السلام مر گئے!!
اس سے حاصل نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ شکل اول میں کبرا کی کلیت شرط ہے اور کلیت تو جاتی رہی۔ لہذا نتیجہ جو مشروط
تھے وہ بھی جاتا رہا۔ اب یہ جو ہمنے کہا کہ اگر الف لام استغراقی نہ لیا جاوے تو درصل تفریع کا ناجائز ہونا
لازم نہیں آویگا سو اسکی وجہ یہ ہے کہ جس آیت کا یہ مضمون ہے کہ نہیں ہیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر خداوند تعالے
کے رسول بلاشبہ آپسے پہلے گزرے اور گئے۔ اس سے یہ مراد ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
صرف خدا کے مقرب بندے اور سچے رسول ہیں۔

وجنس الرسل قد خلا ومن المعلوم ان ما وقع وثبت لبعض افراد الجنس بالنظر الى ذاته
وماهيته يمكن ان يثبت لسائر افراده فالثابت للبعض بالنظر الى ماهيته كما يستلزم
امكان الثبوت لذات البعض يستلزم امكانه لباقي الافراد فهذه المهملة اعني خلت
من قبله الرسل وان كانت بالنظر الى الفعل والاطلاق بمنزلة الجزئية غير صالحة لكبرى
الشكل الاول الا انها تستلزم من الممكنة الكلية صالحة لها فغاية ما ينتج القياس
على هذا ان المسيح ميت بالامكان بان يقال المسيح رسول وجنس الرسل قد خلا
بالفعل والاطلاق وقد عرفت انه يلزمه قولنا كل رسول خال وميت بالامكان فهذا القول اللازم
يجعل كبرى منضمة الى الصغرى فينتج النتيجة المذكورة فصح التفريع ولم يلزم الاستحالة العقلية
ولا المحذور الشرعي من ثبوت موته عليه السلام في الزمان الماضي لكونه مخالفا لظاهر
القرآن والاحاديث واجماع الامة وهذا مع منع كون لفظ الرسل جمعا مستغرقا فاذا المثبت
مطلوب الكذابين على تقدير منع احدى المقدمتين فقط فعدم ثبوت مطلوبهم على تقدير منعهما معا

اسمیں شک نہیں ہے کہ پیغمبروں کی جنس گذری اور گئی ہے۔ ظاہر ہے جو چیز (مثلاً موت) جنس کے بعض
افراد کو باعتبار ذات کے ثابت ہو۔ اسکا باقی افراد کو بھی ثابت ہونا جائز ہے۔ پس جیسا کہ اس چیز کا ثبوت بعض افراد
کے لئے ملزوم الامکان ہو ویسے ہی باقی افراد کے لئے۔ واقع میں یہ مہملہ اگرچہ بمنزلہ جزئیہ ہے۔ اسلئے شکل اول کا
کبریٰ نہیں بن سکتا (کیونکہ اسمیں کبریٰ کی کلیت شرط ہے) لیکن اس مہملہ کو ممکنہ کلیہ لازم ہے۔ اسواسطے وہ کبریٰ بن سکتا ہے۔
جیسا کہ کہدیں کہ مسیح ع رسول ہے اور بلا شبہ جنس رسول بالفعل گزرا اور گیا" پھر ممکنہ کلیہ کو جو اس مہملہ کو لازم ہے کبریٰ
بنائینگے۔ پس شکل اول حاصل ہوگی۔ دیکھو مسیح ع رسول ہے۔ ہر رسول بالامکان میت ہے۔ اسلئے یہ شکل یہ نتیجہ دیگی
کہ مسیح ع بالامکان میت ہے۔ پس اس صورت میں ایک تو تفریع درست ہوئی۔ اور نہ کوئی محال عقلی اور شرعی
عائد ہوا (یعنے مسیح علیہ السلام کا مرنا جو قرآن واحادیث واجماع سے مخالف ہے) اب دیکھئے کہ صرف ایک ہی مقدمہ کے
تسلیم نکرنے کی حالت میں یہ کیفیت ہوئی تو پھر جس حالت میں دونوں مقدموں کو تسلیم نکرینگے تو کا دیانی کا
کہاں ٹھکانا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کو کچھ بھی سمجھ ہے وہ بھی اس بات کو جانتے ہیں ...

۱؎ مہملہ وہ ہے کہ جسمیں افراد کی مقدار بیان نہ کیگئی ہو یعنے اس قضیہ میں نہ یہ ہوگا کہ یہ حکم تمام افراد پر ہے اور نہ یوں ہوگا کہ
یہ حکم بعض افراد پر ہے چونکہ قد خلت من قبلہ میں بھی نہ تو تمام افراد رسول اور نہ بعض افراد رسول کو حکم لگایا گیا ہے تو حضرت
استاد مصنف علام مدظلہم اسکو قضیہ مہملہ فرمایا ۱۲ مترجم

اجلى وادل وهذا انما هو لمن له ادنى دراية وما قلنا من اشتراك ورود عدم صحة التفريع ظاهراً على تقدير
تسليم المقدمتين ايضاً كما على منعهما فلان صيغة الرسل وان سلمت انها مستغرقة وسلم ان الخلو
بمعنى الموت لا تستغرق نبينا محمداً صلى الله عليه وسلم لان الكلام وقع فى خلو الرسل قبله عليه وعليهم
السلام ومن المعلوم يقيناً ان خلوهم قبله معناه انهم سابقون عليه فى وصف الخلو فهو لاحق بهم فى
ذلك الوصف وهذا السبق واللحوق زمانيان اللذان لا يجتمع فيهما القبل البعد ولا البعد
القبل فحين كون الرسل واجدين لوصف الخلو كان نبينا صلى الله عليه وسلم فاقداً له اذ لو كان
مثلهم فى ذلك الحين لم يتم فى قوله تعالى قد خلت من قبله الرسل الاخبار بقبلية التى على
نفسه ومع فقدانه عليه السلام ذلك الوصف وتحلى سائر الرسل به كان مستعداً له
يمكن ان يتحلى كما تحلوا فاذا ثبت كونه عليه السلام فاقداً لوصف الخلو حين خلت الرسل
فلم يندرج فى تلك الرسل الخالية حين فقدان ذلك الوصف ويلزم على عدم اندراجه

ہم پہلے یہ بھی بیان کر آئے ہیں کہ اگر دونوں مقدمے (الف لام کا استغراقی ہونا اور خلو کا بمعنے موت ہونا) مان بھی
لیں تو بھی بظاہر تفریع کی عدم صحت کا الزام نہیں جاتا جیسا کہ دونوں مقدموں کے تسلیم نہ کرنے کی تقدیر پر نہیں جاتا
سو اسلئے کہا جاتا ہے کہ الرسل کا لفظ گو ہم اسکو جمع مستغرق اور خلو کو بمعنے موت ہی لیں۔ ہمارے سردار حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل نہیں ہوگا کیونکہ اس کلام ربانی (قد خلت من قبلہ) میں آپ سے پہلے رسولوں کا خلو
بیان کیا گیا ہے اور یہی ہے کہ انکا خلو آپ سے پہلے ہے جس کے معنے یہ ہے کہ وہ آپ پر وصف خلو میں سبقت
لیگئے ہیں اور آپ انسے اس وصف میں متاخر ہیں۔ ظاہر تر ہے کہ انکی پیشدستی اور آپکا تاخر یہ دونوں زمانی ہیں۔
انمیں متقدم متاخر کے ساتھ موصوف ہوتے تھے۔ سو لازم ہوا کہ جس زمانہ میں اور رسول علیہم السلام وصف خلو کے
ساتھ موصوف ہوتے تھے اسوقت میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس وصف کے ساتھ موصوف نہیں تھے۔
وجہ یہ ہے کہ اگر ہم مان لیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی ان پیغمبروں کے ساتھ ہی ساتھ خلو سے موصوف
ہو چکے تھے تو بریں تقدیر یہ لازم آویگا کہ آیت میں ایک چیز کے اپنے آپ پر مقدم ہونے کی خبر دیگئی ہو۔ حالانکہ
نادان تک اسکے بطلان کو جانتے ہیں۔ البتہ جب یہ اعتقاد کریں کہ جس زمانہ میں اور پیغمبروں کو خلو عارض
ہوگیا تھا تو تب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ وصف لاحق نہیں تھا تو بلاشبہ کہہ سکتے ہیں
کہ آپکے لئے خلو اور گزرنا ممکن تھا۔ جیسا کہ اور انبیاء گزر سے اور گئے۔ بنابراں کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوا

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم بالنظر الی ذلک الوصف فیہم عدم صحۃ التفریع بحسب الظاہر لا اذا لم یکن منہ رجا فی جملتھم فکیف یتعدی الحکم منہم الیہ فان التعدی فرع الاندراج وعدم المتفرع علیہ یوجب عدم المتفرع فلم یجد ہم تخصیص الخلو بالموت ولا ادعاء الاستغراق وکیف والتمسک بالحشیش لا ینفع الغریق فما یجیبون بہ عما ورد علیہم نجیب بمثلہ مع فضلنا علیہم بما اجبنا ولا یمکن لہم التشبث بجوابنا الدلالۃ علی ما یتم مدعاہم ونقیض مبناہم فان امکان شیٔ کما یقارن ثبوتہ یقارن عدمہ وثبوت الاعم من المطلوب غیر نافع للمعلل وان نفع المانع السائل واختفاء ہذہ القاعدۃ علیہم من کمال جہلہم ونہایۃ حمقہم مع کونہا فی غایۃ الانکشاف وغایۃ الظہور من لم یجعل اللہ لہ نورا

کہ رسول کریم صلعم اس زمانہ میں کہ دوسرے انبیاء ہمیں وصف خلو سے موصوف ہو گئے تھے۔ خلو کے ساتھ موصوف نہیں ہوئے تھے۔ تو پھر یہ ضرور تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ آپ رسل ماضیہ میں (اس سبب سے کہ وہ اس وصف سے خالی تھے) داخل نہیں ہوئے۔ پس جس حالت میں یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم انبیاء سابقین میں داخل نہیں تو ظاہراً تفریع کی عدم صحت کا پھر بھی اقرار کرنا پڑے گا کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تو انمیں داخل ہی نہیں ہوئے ہیں پھر کیونکر خلو کا حکم جو ان پر لگایا گیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف منتقل ہوگا آخر یہ تو صریح الفہم بات ہے کہ انتقال موقوف اور داخل ہونا موقوف علیہ ہے۔ پس جہاں پر موقوف علیہ ہی نہیں پایا گیا ہو موقوف کیسے پایا جاوے گا۔ لہذا کادیانیوں کو خلو کا صرف موت ہی میں مستعمل سمجھنا۔ الرسل کو جمع مستغرق ٹھہرالینا بالکل نافع نہیں ہے۔ کیا غریق کو گھاس کو چنگل مارنا کچھ فائدہ دیتا ہی نہیں۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جو کادیانی اس الزام کے دفعیہ میں پیش کریں گے وہی ہماری طرف سے بھی حاضر ہے مگر مع ہذا ہمارا ہی پلہ بھاری ہے کیونکہ ہم تو ماسوا اسکے بھی جواب دے چکے ہیں چنانچہ ماسبق سے ظاہر ہے شاید کادیانی ہمارے ہی جواب کو اپنی طرف سے ہی جواب سمجھیں لیکن یہ انکے لئے نافع نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ ہمارا جواب ایسی چیز پر دلالت کرتا ہے جو کادیانیوں کے مدعا اور نقیض کو شامل ہے کیا دیکھتے نہیں کہ کسی چیز کا امکان جیسا کہ اُس چیز کے وجود کو مقارن ہے ویسے ہی اس کے عدم کو مقارن ہے۔ پر بدیہی ہے کہ مدعا اور غیر مدعا کو جو ثابت ہو اسکا پایا جانا گو مانع اور تسلیم نکرنیوالے سائل کو نافع ہو۔ مگر دلیل پیش کرنیوالے کو ہرگز نافع نہیں ہے۔ یہ قاعدہ بالکل مسلمات سے ہے اور ظاہر ہے گو کادیانیوں پر

فما لمن نور علی انہ لو دل قولہ تعالیٰ وما محمد الّا رسول قد خلت من قبلہ الرسل علی موت ما عدا نبینا صلی اللہ علیہ وسلم من الرسل جمیعہم لدل قولہ تعالیٰ ما المسیح بن مریم الّا رسول قد خلت من قبلہ الرسل علی موت ما عدا نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام من الرسل جمیعہم وبندرج فی ذالک العام المحکوم علیہم بالموت نبینا صلی اللہ علیہ وسلم و ھذا محال فان نزولہ لم یکن الّا فی حیاتہ وھذا المحال لم ینشأ الا من تسلیم استغراق الرسل فی الآیۃ الاولی فیکون محالاً لان ما یلزم منہ المحال محال البتۃ فاذا لم یثبت اندراج المسیح علیہ السلام تحت الاکبر الموقوف علی تسلیم الاستغراق المستلزم للمحذور والمحال الشرعی لم تصدق النتیجۃ فی استدلالہم العاطل اللاطائل والآیۃ الثانیۃ تدل دلالۃ صریحۃ علی حیوۃ المسیح بن مریم حین نزولہا اذ لو کان من المتیین فی ذلک الحین لقال تعالیٰ

انکی کم علمی سے پوشیدہ ہو۔ اس سے علاوہ اور لیجئے کہ اگر مان لیں کہ وہ آیت جس کا مفاد یہ ہے کہ "نہیں ہے حضرت صلعم مگر خداوند تعالےٰ کا رسول بلاشبہ آپسے پہلے پیغمبر گذرے اور گئے" اسپر دلالت کرتی ہے کہ آپکے ماسوا جتنے رسول تھے وہ سب مرگئے ہیں تو اس صورت میں وہ آیت جس کا معنے یہ ہے کہ "نہیں مسیح ابن مریم مگر خداوند تعالےٰ کا رسول بلاشبہ انسے پہلے پیغمبر گذرے"۔ چاہیے کہ اسپر دلالت کرے کہ مسیح علیہ السلام کے سوا جتنے رسول ہیں سب مرگئے ہیں" حالانکہ یہ غلط ہے اسواسطے کہ مسیح علیہ السلام کے ماسوا رسولوں میں ہمارے سردار مفخر موجودات علیہ الصلوۃ والتسلیمات بھی داخل ہیں تو اس سے لازم آویگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس آیت کے اترنے سے پہلے مرگئے ہوں اور یہ صریح جھوٹ ہے اسلیئے کہ یہ آیت آپکی حیات میں نازل ہوئی ہے۔ لہذا الف لام کا استغراقی لے لینا ہی محال ہوا جو یہ ہے کہ جسکے مان لینے سے کوئی محال لازم آوے اسکا ماننا ہی محال ہوتا ہے اسواسطے یہ نتیجہ کہ "مسیح مرگئے ہیں" صادق نہیں ہے ابھی اسکا صدق اسصورت میں تھا کہ اگر مسیح اکبر میں مندرج ہوتے لیکن وہ تو مندرج نہیں ہیں سبب یہ ہے کہ انکا اندراج الف لام کے استغراقی ہونے پر موقوف ہے اور وہ خود ہی باطل ہے۔ پس نتیجہ مذکورہ بھی کاذب ہوا۔ نیز دوسری آیت (جسکا معنے ابھی بیان کیا گیا ہے) صراحۃً مسیح کے (آیت کے نازل ہونیکے وقت) زندہ ہونے پر دلالت کرتی ہے دیکھو اگر مسیح اس آیت کے نازل ہونے کے وقت اموات میں داخل ہوتے تو خداوند تعالےٰ کا یوں فرمانا چاہئے تھا کہ

Marfat.com

ما المسیح بن مریم الا رسول قد خلا مع الرسل وقال تعالیٰ قد خلا وقد خلت الرسل
اوقال عزوجل قد خلا کما خلت الرسل او اکتفی بقوله قد خلت الرسل ولم یقل وقد خلت
من قبله الرسل وهذا بناء علی انحصار الجمع المعرف باللام فی الاحاطة والشمول
کما زعم الکائد ومقلدوه المکیدون فالتقیید بقوله من قبله صریح فیما قلنا ودلالة
هذه الایة علی حیوة المسیح لا تتوقف علی استغراق الرسل لیلزم ذلک المحذور
من ثبوت الموت للنبی صلی الله علیه وسلم حین نزول تلک الایة بل یکفی فیها کون
الرسل جنسا فیقال فی توجیهها ان جنس الرسل وان کان تحققه فی الموارد الخاصة
قد خلا من قبل المسیح والمسیح وان لم یخل الی الان فسیخلو کما خلت الرسل جنسهم
فیکون مفادها ان الموت له علی نبینا وعلیه الصلوة والسلام لم یوجد الی الان
ولکنه سیموت کما ان مفاد الایة الاولی نفی موت نبینا صلی الله علیه وسلم فیما مضی و
ترقبه له فیما یأتی ومتی دلت هذه علی حیوة المسیح علیه السلام فلو دلت تلک علی مقتضیٰ

نہیں ہیں مسیح ؑ مگر خدا کے رسول۔ بلاشبہ رسولوں کے ساتھ ہی مر گئے ہیں یا بلاشبہ مسیح مر گیا
درحالیکہ اور رسول مر گئے۔ یا بلاشبہ مسیح علیہ السلام مر گئے۔ جیسے کہ اور رسول مر گئے۔ یا بلاشبہ
رسول مر گئے۔ اور نہ فرماتا۔ بلاشبہ مسیح سے پہلے رسول مر گئے "۔ مگر یہ سب کچھ اس تقدیر پر ہے کہ
جب الرسل کو جمع مستغرق مراد رکھ لیں گے جیسا کہ کادیانی اور اسکے مقتدی کا گمان فاسد ہے۔
پس خلو کو من قبلہ (آپسے پہلے) سے مقیّد کر دینا اسی لئے ہے جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ رہی یہ بات
کہ یہ آیت مسیح کی حیات پر تب ہی دلالت کریگی جبکہ الف لام استغراقی لیں۔ اس سے مسیح کی موت
آیت کے نازل ہونے کیوقت میں لازم آویگی "۔ سو یہ غلط ہے کیونکہ لفظ الرسل سے جنس رسول مراد ہے۔
اسواسطے اسکی توجیہ یوں ہوگی کہ "جنس رسول کسی زمانہ میں اسکا وجود ہو۔ گو مسیح علیہ السلام ابتک نہیں مرے
مسیح سے پیشتر مر گیا ہے۔ لیکن مسیح علیہ السلام بھی اس جنس کیطرح مریں گے۔ بناءً علیہ اس آیت کا ماحصل
یہ ہوگا کہ مسیح اگرچہ ابتک نہیں مرے ہیں مگر آخر مریں گے۔ یہ ایسا ہوا جیسا کہ پہلی آیت سے آنحضرت
سید صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی زمانہ ماضی میں نفی اور آیندہ انتظار ثابت ہوا تھا۔ اب اگر باوجود اسکے
کہ اس آیت نے مسیح کی حیات پر دلالت کی ہے۔ اس آیت سے انکی موت سمجھ لیں گے۔ تو یہ

کما تخیل وتخیلوا اللازم الاختلاف بین هذین القولین جل قائلهما والقول بوقوع الاختلاف فی القرآن حکم بوقوع ما حکم الله بامتناعه وهذا کفر قال الله عزوجل ومن لم یحکم بما انزل الله فاُلٰئک هم الکٰفرون والدال علی امتناع الاختلاف فی القرآن قوله تعالیٰ ولو کان من عند غیر الله لوجدوا فیه اختلافاً کثیراً فبطلت ارادة استغراق الرسل وعمومه والدلیل علی ان الحیٰوة والموت مختلفان ان الموت ان فسر بعدم الحس والحرکة عما من شانه کلاهما فیقابل الحیٰوة بتقابل العدم والملکة وان بانحیاز الروح عن البدن وهو الحق الثابت بالنصوص الشرعیه والفصوص العقلیة فبینهما تضاد وکل منهما اختلاف فاستقر علی عرش التحقیق ساقلنا من حیٰوة المسیح علیه السلام فی الازمنة الماضیة وموته فیما یاتی وهذا ما ذهب الیه الاسلامیون باجمعهم بخلاف النصاریٰ القائلین بوقوع موته ثم احیائه وزعم بجسده وبخلاف من هم اسوء حالاً واشر مآلاً وهم الکائد الکادیانی وامکیدون القائلون بوقوع موته وبعدم رفع الجسد ثم استدل الکائد الکادیانی

بداہتہ قرآن میں تخالف اور تعارض پایا جاوے گا۔ حالانکہ ایسے امر کا قائل کافر ہے۔ اِس لئے ماننا پڑے گا کہ الرسل کا الف لام استغراقی نہیں ہے۔ شاید اس موقعہ پر کوئی شخص یہ کہدے کہ چونکہ موت اور حیات آپس میں مخالفت نہیں رکھتی ہیں تو اگر ایک آیت سے زندگی۔ دوسری آیت سے موت مراد رکھ لیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ سو واضح رہے کہ یہ بات مضحکہ بلہ وصبیان ہے سبب یہ ہے۔ کہ اگر موت کا معنے اس چیز کا حساس ہونا کہ اسکی شان سے حساس ہونا ہے" مقصود ہے تو موت وحیات میں بطور تقابل عدم وملکہ کے تخالف ہوگا۔ اگر موت کا معنے بدن سے روح کا جُدا ہوتا ہے" چنانچہ یہی نصوص شرعیہ عقلیہ سے ثابت ہے پس موت وحیات میں تضاد ہوگا اور بہرصورت دونو نہیں مخالفت پائیجاویگی۔ لہٰذا مسیح علیہ السلام کا زمانہ ماضی میں نہ مرنا اور آئندہ میں انکی موت کا وقع ہونا ثابت ہُوا۔ اور یہی تمام معتبر اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔ البتہ نصاریٰ اور کادیانی اس رائے میں مخالف ہیں۔ نصاریٰ تو کہتے ہیں کہ مسیح مر کر زندہ ہوا اور آسمان پر چڑھا۔ کادیانی کہتے ہیں کہ مسیح مر گئے اور آسمان پر بجسدہ نہیں چڑھائے گئے" پھر کادیانی مسیح کے مرجانے پر اور آیت کو پیش کرتے ہیں اسکا مضمون یہ ہے کہ

Marfat.com

علی مطلوبہ بقولہ تعالیٰ وما جعلناہم جسدًا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین وتھذیب
استدلالہ انہ لوکان المسیح علیہ السلام حیًا فی السّماء لزم کونہ جسدًا لا یاکل الطعام
وکونہ خالدًا وقد نفی اللہ تعالیٰ ذٰلک فان مفاد الآیۃ سلب کلی ای لا شئ من الرسل
بجسد لا یاکل ولا احد منہم بخالد ومن المقرر ان تحقق الحکم الشخصی مناقض للسلب
الکلی والدلیل علی کون المفاد سلبًا کلیا قولہ تبارک وتعالیٰ وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد
افائن مت فہم الخالدون فانہ صریح فی السلب الکلی فاذا ثبت الرفع والسلب کلیا بالنص
ارتفع الحکم الشخصی المستلزم للایجاب الجزئی الناقض لذٰلک السلب المدلول بالنص فان
احد لمتنا قضین لا یجامع النقیض الاخر کما لا یرتفع معہ وھٰذا بدیھی اقول بتوفیق اللہ
وحسن توفیقہ ان نفی قولہ تعالیٰ وما جعلناہم جسدًا الخ انما ورد النفی علی الجعل المؤلف
المتخلل بین المفعولین ومفعولہ الثانی المجعول الیہ ھو قولہ جسدًا لا یاکلون الخ فمدخول

کہ نہیں بنایا ہمنے پیغمبرونکے بدنوں کو کہ وہ کہانے پینے کیطرف محتاج ہوں اور نہ ہمیشہ رہنیوالے۔“ لیکن ہم
پہلے اسکے استدلال کی اصلاح کرینگے اور پہر جواب دینگے۔ کادیانی کا استدلال ”کہ اگر مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ بھی
مان لئے جاویں تو بالضرور کہنا پڑیگا کہ وہ ایسے بنائے گئے ہیں کہ وہ طعام کیطرف محتاج نہیں ہیں۔ ہمیشہ زندہ
رہنے والے ہیں حالانکہ خداوند تعالیٰ نے آیت میں ان دونوں باتوں کو برخلاف ارشاد فرمایا ہے۔ کیونکہ
ماحصل آیت کا یہہ ہے کہ نہیں کوئی ایک جسد رسولوں کے اجساد میں سے کہ وہ طعام کا محتاج نہ ہو۔ نہیں
کوئی ایک بھی انمیں سے کہ ہمیشہ زندہ رہے۔ ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کا ابتک زندہ ہونا جو گویا خلود سے
عبارت ہے۔ انکی حقمیں کہنا کہ وہ وہاں پر کہانے پینے سے فارغ ہیں،“ یہہ ایک ایسا حکم ہے کہ صراحۃ اس سالبہ
کلیہ (نہیں کوئی جسد الخ) سے مخالف ہے۔ اس سلب کلی پر یہہ دلیل ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک آیت میں فرماتا ہے
کہ یا رسول اللہ ہمنے آپسے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی ہے کیا اگر آپ مرجائینگے تو وہ (کافر) ہمیشہ زندہ رہینگے۔
پس اس آیت سے صاف سلب کلی ثابت ہوا۔“ اس سے یہی لازم آیا ہے کہ یہہ موجبہ جزئیہ (کہ بعض آدمی مثلاً
مسیح فلانے وقت سے ابتک یا فلان وقت زندہ ہے) باطل ہو۔ سبب یہ ہے کہ یہ اس سالبہ کلیہ کی نقیض ہے۔ قاعدہ ہے کہ
جب ایک شئے متحقق ہو تو اسکی نقیض کاذب اور غیر متحقق ہو ورنہ اجتماع النقیض لازم آویگا حالانکہ یہ باطل ہے
جیسا کہ دونوں نقیضونکا متحقق نہونا باطل ہے۔ الجواب کہ آیت مذکورہ میں جو حرف نفی (ما) کا وارد ہے

النفی هو الجعل[1] المقید بهٰذه القیود وظاهر ان المقید ولو بالف قید لا یتصور تحققه الا بتحقق کل من تلک القیود والقیود التی هٰهنا هی تالیف الجعل وکون المجعول الیه جسدًا مع تقییده بعدم اکل الطعام فلابد لتحقق هٰذا المقید من تحقق تلک القیود الثلثة بخلاف الانتفاء فانه متصور بانتفاء جزء ای جزء کان ولا یتوقف علی انتفاء جمیع الاجزاء فینتفی ذٰلک المدخول للنفی بوقوع غیر الجعل موقعه وبانتفاء تالیفه بان یتعلق الجعل المفرد باحد المفعولین اما بالاول فقط واما بالثانی فحسب وبرفع خصوص المجعول الیه ووضع امر اٰخر فی محله وبانتفاء قید عدم الاکل ولو سلم تحقق کل قید ما عدا فرض انتفائه وبانتفاء مجموع القیود بمعنی انتفاء کل قید وبانتفاء المقید اعنی ذاتا مامع تسلیم القیود باسرها فهٰذه المواد والمواقع لیست الا بالامکان لا بالفعل والاطلاق الا رفع القید الاخیر فانه واقع بالفعل

وہ تو جعل[1] بسیط پر وارد نہیں ہوا ہے بلکہ جعل مؤلف پر جسکے لوازم سے ہے کہ وہ دو مفعولوں کے درمیان پایا جاوے ایک کا نام مجعول (بنایا گیا) دوسرے کا نام مجعول الیہ (جو کچھ بنایا گیا ہو) ہے دیکھو اس آیت میں انبیا مجعول اور جسد جو بغیر طعام کے فاسد ہوتا ہے مجعول الیہ ہے۔ پس یہاں پر نفی ایسے جعل اور بنانے پر وارد ہوئی ہے جو مقید ہے۔ یہ بدیہی ہے کہ مقید گو اسکے ساتھ ہزار قیدیں لگی ہوں تبتک نہیں پایا جاتا جبتک کہ ہر ایک قید نہ پائی جاوے۔ اب یہاں تو تین قیدیں ہیں۔ ایک جعل کا مرکب ہونا۔ دوم جسد کا مجعول الیہ ہونا۔ سوم عدم الاکل کی قید۔ لہذا یہ جعل جو ان قیود سے مقید ہے جب ہی متحقق ہوگا کہ یہ سب قیود پائے جاویں البتہ کسی مرکب چیز کا معدوم ہو جانا اسکے تمام اجزا کے نابود ہو جانے پر موقوف نہیں بلکہ ہمیں اگر ایک جز بھی نابود ہو جاوے تو اس چیز کا عدم پایا گیا۔ اس سے یہ بھی سمجھا ہوگا کہ اگر بجائے جعل مؤلف کے جو مقید ہے اور ہی چیز فرض کیجائے یا اسکا مرکب ہونا اڑا دیویں بایںطور کہ صرف پہلے مفعول کے ساتھ یا دوسرے کے ساتھ فقط متعلق ہونا مان لیں یا جسد کے مقام پر اور ہی کوئی مفعول قرار دیں۔ یا تمام قیود کا تحقق مان لیں مگر عدم الاکل یا تمام قیود یا مطلق شئے کا (باوجود مان لینے تمام قیود کے) نابود ہونا

[1] جعل کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ بسیط ہے انکا مذہب ہے کہ خداوند تعالے نے اشیاء کی ماہیتوں کو درحقیقت بنایا ہے اور وجود تبعیت کے طور پر خود بخود ہی عارض ہوا ہے۔ مثال لوہار تلوار کو بناتا ہے اور تیزی خود بخود موجود ہو جاتی ہے بعض کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ بنانے کے یہ معنی ہیں کہ خداوند تعالیٰ ماہیات کو موجود کر دیتا ہے۔ پس بریں تقدیر جعل اور بنانے کے لئے دو مفعولوں کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ جہاں پر حضرت مصنف علام مدظلہم نے جعل مؤلف فرمایا ہے وہ ہرگز جعل بسیط نہیں ہے فتدبر ۱۲ مترجم

137273

Marfat.com

ومراد بقوله تعالیٰ وما جعلناهم جسدًا وتحقق ماعدا ذلك القيد مسلم بل مثبت بالبراهين النقلية والعقلية القطعيتين وعدم الاكل الذی هو امر عدمی متصور بوجهين بعدم اكل شئ ما اعم من ان يكون طعامًا او غيره وبعدم اكل الطعام خاصة وان وجد معه اكل غير الطعام وعدم ذلك الانتفاء الذی اضيف الی الامر العدمی انما يتحقق بتحقق نقيض ما اضيف اليه الانتفاء فيستلزم انتفاء ذلك العدم الذی هو فی قوة السالبة ثبوت الاكل الذی هو فی قوة الموجبة المحصلة اذ عموم الاولیٰ من الثانية انما هو بامكان تحققها بعدم الموضوع وعدم امكان تحققها حين عدمه لضرورة استدعائها وجود الموضوع ومن البديهيات ان الموضوع فيما نحن فيه موجود وقد تقرر فی مدارك العقلاء تلازم بين السالبة السالبة وبين الموجبة المحصلة عند وجود الموضوع فلزم من قوله تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ الذی هو بمنزلة السالبة السالبة تحقق قضية موجبة محصلة اعنی كل رسول ياكل الطعام فيقال لمن يدعی به علی اثبات موت المسيح بن مريم

فرض کرلیں تو بہرحال تقید بھی معدوم ہوگا۔ لیکن یہ سب مفہومات صرف ممکن ہی ممکن ہیں واقع میں انمیں سے کوئی بھی متحقق نہیں ہے۔ البتہ انمیں سے عدم الاکل کا منتفی ہونا گو ممکن ہے۔ واقعی بھی ہے۔ ماسوا اسکے جتنے ہیں انکا واقع میں پایا جانا دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہے اسلئے انکے عدمات وقعی نہیں ہیں ۞ جب یہ سُن لیا تو اسکا علم بھی ضروری ہے کہ قید عدم الاکل کا پایا جانا دو طرح ہے کہ یا کوئی چیز (خواہ طعام ہو یا اور کچھ ہو) نہ کہائی جاوے یا خاصکر طعام ہی نہ کہایا جاوے۔ اسمیں شبہ نہیں ہے کہ عدم الاکل کا نہ پایا جانا تب ہی متحقق ہوگا جبکہ کہانا متحقق ہوگا۔ پس عدم الاکل کے نہ پائے جانے کو جو سالبہ سالبہ[1] ہے موجبہ محصلہ لازم ہوا اگرچہ یہ ملازمت موضوع کے موجود ہوتے ہی ہوتی ہے لیکن یہاں تو موضوع (انبیا علیہم السلام) امر واقعی ہے۔ پھر کیا دونوں متحقق نہیں ہونگے ضرور ہونگے ضرور تسلیم کرنا پڑیگا کہ آیت مذکورہ (وَمَا جَعَلْنَاهُمْ) سے جو سالبہ سالبہ ہی قضیہ موجبہ محصلہ لازم آتا ہے وہ یہ ہی کہ ہر رسول طعام کہاتا ہے۔ اب کا دیانی سے مستفسر ہے کہ اس قضیہ موجبہ میں اکل اور کہانا جو ہر رسول کو ثابت ہے۔ تو

[1] کہتے ہیں زید نے طعام نہیں کہایا ہے" یہ سالبہ ہے جب اسپر اور نفی داخل کریں گے تو یوں کہیں گے کہ ایسا نہیں ہے تو صریح لازم آویگا کہ زید نے طعام کہایا ہے غرضکہ جہاں نفی پر نفی داخل ہو وہ سالبہ سالبہ ہے۔ جہاں زید کے لئے کہانا ثابت کیا گیا ہو وہ موجبہ محصلہ کھلاویگا ۱۲ مترجم

Marfat.com

ان نسبة الاكل لكل رسول فی هذه القضية هل هی بالضرورة بحسب الذات او بحسب الوصف او فی وقت ما او فی وقت معين او بحسب الدوام ذاتا او وصفا او بالاطلاق او بالامكان مع قيد اللادوام فی ماعدا الاول والخامس ومع قيد اللاضرورة فی ماعدا الاول فقط علی رای اوفی ماعدا الخامس ايضا كما علی رای آخر وان لم يكن بعض التراكيب منها متعارفا اولا يعتبر قيد اللاضرورة ولا قيد اللادوام الاول والخامس بديهی البطلان لوجود نقيض كل منها وهو امكان عدم الاكل للاول والاطلاقه للخامس وكذا الثانی والسادس لعدم مدخلية وصف الرسالة فی ضرورة الاكل او دوامه كما لا مدخل فيهما لمعنون ذلك الوصف وكذا لا تكون ضرورية بحسب الوقت مطلقا لا بحسب وقت ما ولا بحسب وقت معين لان غاية الامر ان يكون الاكل ضروريا بشرط الجوع

یہ انکے لئے انکی ذات کیطرف نظر کرکے ضروری الثبوت ہے یا باعتبار کسی وصف کے یا ضروری الثبوت غیر معین یا معین وقت میں ہے۔ یا یہ کہ وہ ذات کی عتبار سے یا وصف کی جہت سے دائمی الثبوت ہے۔ یا تین زمانوں میں سے کسی زمانہ میں ثابت ہو۔ یا یوں کہو کہ اس کا ثبوت انکے لئے ممکن ہے خواہ مع قید اللادوام جیسا کہ اول اور پانچویں کے ماسوا میں۔ خواہ مع قید اللاضرورة جیسا کہ اول کے ماسوا میں بنابر ایک رائے کے یا پانچویں کے ماسوا میں بھی عند البعض یا لاضرورة ولا دوام کی قید کہیں بھی تسلیم نکریں۔ بہرحال یہ ظاہر ہے کہ ضروریہ (یعنے ہر رسول کی ذات کو طعام کا کہانا بالضرور ثابت ہے) اور دائمہ (یعنی ہر رسول کے لئے اکل الطعام دائما ثابت ہے) باطل ہے کیونکہ ضروریہ مطلقہ کی نقیض جو ممکنہ عامہ ہے متحقق ہے۔ پس لازم ہوا کہ ضروریہ باطل ہو ورنہ اجتماع النقیضین پایا جاویگا اسیطرح پر دائمہ کی نقیض مطلقہ عامہ متحقق ہے۔ چنانچہ کہدیں کہ بعض اوقات میں رسول طعام نہیں کہاتے ہیں۔ اب اس مطلقہ عامہ کو کون باطل کہہ سکتا ہے۔ یہ تو صریح صادق ہے۔ اسلئے دائمہ کاذب ہوا نہیں تو ویسے ہی اجتماع النقیضین لازم اویگا جیسا کہ گزرا۔ ایسا ہی دوسرا اور چھٹا باطل ہے اسواسطے کہ وصف رسالت ہرگز ضرورت یا دوام اکل کو نہیں چاہتا ہے۔ علی ہذا القیاس اکل الطعام رسول کیواسطے مطلق وقت میں کوئی وقت ہو اور خاص ایک وقت میں ضروری الثبوت نہیں ہے۔ آخر بھی تو کہو گے کہ اکل الطعام [illegible] بھوکھ متحقق ہو ضروری ہے۔

والجوع لما لم یکن واجباً فی وقت ما لم یکن المشروط به ضروریاً فی وقت ما کما صرح به فی کتب المنطق من ان الکتابة لیست بضروریة فی حین من الاحیان فما ظنك بالمشروط بها والضرورة بشرط الشئ غیر الضرورة فی وقت ذلك الشئ والاوّل لا یستلزم الثانی کما فی تحرك الاصابع بشرط الکتابة فان التحرك بشرطها ضروری ولیس فی وقتها بضروری وکذلك ضرورة الاکل بشرط الجوع امر وضرورته فی وقت الجوع امر اٰخر لا تلازم بینهما فضلاً عن الاتحاد فاذا لم یکن الاکل ضروریاً فی وقت ما لم تکن القضیة وقتیة مطلقة ولا منتشرة مطلقة فلم تکن وقتیة ولا منتشرة لاستیجاب انتفاء الاعم انتفاء الاخص وکون الاکل ضروریاً بشرط الجوع لا یقتضی ان تکون القضیة مشروطة ایضاً اذ المشروطة ما یوجد فیه الضرورة بشرط الوصف العنوانی لا بشرط ای وصف کان ومن الظاهر ان الوصف العنوانی فی القضیة انما هو

لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ بھوک خود ضروری الوجود نہیں ہے۔ پھر طعام کا کھانا جو اس کا مشروط ہے وہ کیسے ضروری ہوگا۔ کیا دیکھتے نہیں کہ جب کہدیں کہ زید کی انگلیاں لکھنے کی حالت میں متحرک ہیں۔ اسمیں لکھنا چونکہ خود کسی وقت میں ضروری الثبوت نہیں ہے۔ تو جسکے لئے یہ شرط ہے وہ بھی کتابت کیوقت میں ضروری نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کتابت چونکہ کسی وقت ضروری نہیں ہے اور منجملہ اوقات وہ وقت بھی ہے جسمیں کتابت متحقق ہے۔ پس وہ جب آپ ہی اسوقت میں ضروری نہیں ہے تو انگلیوں کا ہلنا کتابت کے وقت میں کب ضروری ہوگا۔ ویسے کھانا گو بشرط الجوع (بھوک) ضروری ہے مگر بھوک کے وقت میں ضروری نہیں چنانچہ ابھی ہم بیان کر آئے ہیں۔ شاید کہو گے کہ جب یہ مانا گیا کہ طعام کا کھانا بشرطیکہ بھوک لگی ہو ضروری ہے تو یہ قول جسے قضیہ مشروطہ کہتے ہیں صادق آویگا کہ "ہر رسول کے لئے بشرط الجوع طعام کا کھانا ضروری ہے"۔ حالانکہ تمہارے واسطے مضر ہے۔ سو واضح رہے کہ مشروطہ ہرگز صادق نہیں آویگا۔ سبب یہ ہے کہ یہ مشروطہ نہیں بن سکتا۔ کیا معلوم نہیں کہ مشروطہ میں یہ بات لازمی ہے۔ کہ ضرورت بشرط اسی عنوان اور وصف کے ہو کہ جس کے ذریعہ سے موصوف پر حکم لگایا گیا ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ قضیہ مذکورہ میں وصف اور عنوان رسول کا لفظ ہے

Marfat.com

وصف الرسالة دون وصف الجوع فلم يبق الا ان يكون بالاطلاق او الامكان مع قيد اللادوام او اللاضرورة او بدونه والاول من كل منهما متعين بدليل قوله تعالیٰ وما ارسلنا قبلك من المرسلين الا انهم ليأكلون الطعام ويمشون في الاسواق فيكون وجودية احد جزئيها ثابت بهذه الاٰية وثانيهما بما مر من البيان وهي وان كانت مستلزمة لما عداها لكنها لكونها اخص احق بالاعتبار وينحل الى قولنا كل رسول يأكل الطعام بالفعل ولا شيء من الرسول يأكل الطعام بالفعل وهذه القضية لا تناقض ما ذهب اليه الاسلاميون لانه يصدق قولنا المسيح بن مريم آكل للطعام بالفعل وليس بآكل بالفعل وما قررنا قبل من ان الجوع ليس بضروري لان الجوع خلو الباطن

نہ بھوکہ کا۔ پہر کہو کہ صورت مذکورہ میں وہ کیسا مشروطہ بن سکتا ہے۔ بناءً بریں ماننا پڑیگا کہ قضیہ مذکورہ مطلقہ[1] یا ممکنہ عامہ ہے خواہ لادوام ولاضرورۃ کی قید لگادیں یا نہ۔ ہاں مطلقہ اور ممکنہ عامہ اس آیت سے مستفاد ہے جسکا یہ مضمون ہے کہ یا رسول اکرم آپسے پہلے جتنے رسول تھے وہ طعام کہاتے۔ بازاروں میں چلتے پہرتے بھی تھے؟ کیونکہ اس آیت کا ماحصل یہی ہے کہ وہ رسول کسی نہ کسی زمانہ میں کہاتا اور بازاروں میں چلتے پہرتے تھے۔ نہ یہ کہ ہر ہر وقت میں جیساکہ ہر ہر وقت میں چلتے پہرتے نہیں تھے اور یہی مطلقہ عامہ ہے ایسا ہی طعام کے کہانیکا انکے لئے امکان ثابت ہوا۔ پس جبکہ اس مطلقہ اور ممکنہ کو لادوام کی قید لگادیں گے۔ تو یہ قضیہ وجودیہ[2] ایسا ہوا۔ کہ اسکی پہلی جز آیت مذکورہ سے ثابت ہوئی اور دوسری یعنی لادوام کا مفہوم؟ ہماری سابق تقریر سے پایۂ ثبوت تک پہونچی۔ البتہ اس وجودیہ کو بسبب اسکے کہ یہ ایک مقید اور خاص چیز ہے ضروریہ وغیرہ لازم ہیں لیکن چونکہ یہ خاص ہے اور خاص زیادہ تر قابل اعتبار ہوتا ہے تو وجودیہ ہی معتبر ٹہریگا۔ اسواسطے اسکی دو جز لیکر قضیہ بنائیں گے پہر دیکھینگے کہ وہ اسلامیوں کے عقیدہ سے مخالف ہے یا نہ۔ دیکھو ہر رسول بعض اوقات میں طعام کہاتے ہیں اور کوئی رسول بعض اوقات میں طعام نہیں کہاتا۔ اب غور سے دیکھو کہ یہ قضیہ ہرگز عقیدہ اسلامی سے مخالفت نہیں رکہتا ہے؟ کیونکہ یہ قضیہ کہ مسیح بعض اوقات میں طعام کہاتے تھے اور بعض اوقات میں نہیں کہاتے تھے صادق ہے۔ آپ جناب صاحب

[1] مطلقہ عامہ اس قضیہ کو کہتے ہیں کہ جسمیں محکوم علیہ پر محکوم بہ کے ساتھ تین زمانوں میں کسی زمانہ میں حکم لگایا گیا ہو۔ جیساکہ کہدیں زید کسی زمانہ میں کاتب ہے۔ ممکنہ عامہ وہ ہے جہاں پر جانب مخالف کی ضرورت سلب کردی گئی ہو۔ چنانچہ کہیں زید بالامکان عالم ہے یعنے زید کا عالم ہونا ضروری نہیں ہے۔ پس قضیہ مذکورہ یوں ہوگا۔ کہ ہر رسول کے لئے طعام کا کہانا جائز ہے نہ کہانا ضروری نہیں ہے۔ پس یہ ممکنہ ہوا۔ ہر رسول کسی زمانہ میں طعام کہاتا ہے؟ یہ مطلقہ عامہ ہوا ۱۲ مسلم مترجم

[2] جیسے کہیں زید کہاتا ہے کبھی نہ ہمیشہ اس کو وجودیہ کہتے ہیں ۱۲ مسلم مترجم

وانتضاء الطبیعۃ بدل مایتحلل منہ فی ذالک فرع التحلل ولا ارتیاب فی تنوع مراتب التحلل باختلاف الاسباب الداخلیۃ والخارجیۃ ولا تحدید لمراتبہ فالتحلل الذی فی مرتبۃ ناقصۃ غیر التحلل الذی فوقہ یجوز سلب کل منہما عن الاخر وکذالک یقال فی جمیع مراتبہ ان کل مرتبۃ عینا ھا فھی مسلوبۃ عما تحتہا وعمّا فوقہا من المراتب وھما مسلوبان عنہا فھذا حکم اجمالی علی کل مرتبۃ بامکان سلبہا عن جمیع المراتب الاخر کامکان سلب المراتب الاخر عن تلک المرتبۃ وھذا فرع امکان السلب فی نفس الامر اذ سلب مرتبۃ مُعینۃ فی مرتبۃ اخری سلب مقید والسلب فی نفس الامر اعم من ان یکون ذالک السلب مقیدًا بکونہ فی مرتبۃ اخری او لا سلب مطلق ولا ریب فی ان امکان المقیّد فرع امکان المطلق ومتاخر عنہ واذا کان الامر کذالک امکن سلب التحلل راسًا فامکن انتفاء الجوع اصلا مع بقاء الشخص

یہ جو ہم بیان کر آئے ہیں کہ بھوک ضروری الثبوت نہیں ہے سو اُسکی دلیل یہ ہے کہ درونی اور بیرونی اسباب کے سبب اجزا گھٹتے ہیں۔ انکے قائم مقام اجزا کے چاہنے کو بھوک کہتے ہیں۔ پس جب تک گھٹنا متحقق ہوگا تو بھوک بھی متحقق ہوگی۔ یہ بدیہی ہے کہ جب تحلل یعنے گھٹنے کے اسباب مختلف ہونگے تو بالضرور تحلل کے درجہ بھی مختلف ہو جائنگے۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ تحلل کے درجہ بے شمار ہیں۔ پس نا برآں کہ کہیں ادنےٰ اور کہیں اعلےٰ ہیں ہر ایک دوسرے سے سلب کیا جاسکتا ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ ادنیٰ تحلل اعلیٰ تحلل نہیں ہے۔ اور اعلےٰ ادنیٰ نہیں غرضکہ جس مرتبہ اور درجہ کو مدِنظر رکھیں اس سے جو ادنیٰ ہے یا اعلیٰ اُسے اس درجہ معیّنہ سے مسلوب کرنا جائز ہے ویسے ہی ان دونوں کو اس مُعیّن درجہ سے رفع کر سکتے ہیں تو گویہ اجمالاً حکم لگایا گیا ہے۔ کہ ہر درجہ کا اپنے ماسوا سب درجات سے مسلوب ہونا ممکن ہے جیسا کہ باقی درجات کا سلب اس درجہ سے ممکن ہے۔ اب واضح ہو گیا کہ یہ سلب مقیّد ہی جب یہ ممکن ہوا تو صاف ثابت ہوا کہ واقع میں بھی سلب ممکن ہے کیونکہ وہ مطلق ہے اور مقیّد بجز امکان مطلق کے ممکن نہیں ہو سکتا۔ رہی یہ بات کہ جو سلب واقع میں ہے وہ کیوں مطلق ہے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ سلب واقعی میں کسی درجہ میں متحقق ہونیکا لحاظ نہیں ہے لیکن سلب کے ممکن ہونے سے یہ لازم آیا کہ تحلل کا سرے سے ہی مسلوب ہونا ممکن ہو۔ کیونکہ نفس تحلل کا سلب ہی مطلق سلب ہے، اسواسطے تحلل کا سرے سے ہی مسلوب ہونا ممکن ہوا پس بھوک کا سلب بھی سرے سے ممکن ٹھہرا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بھوک خود ضروری الثبوت نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے تھے۔ ہاں یہ گمان نکرنا چاہئے کہ تحلل کا سلب ممکن ہی ممکن ہے۔ نہیں بلکہ

Marfat.com

بل حکم اللہ تعالیٰ بتحقق انتفاء الجوع فی القرآن ولم یکتف بمحض امکانہ وقال عز من
قائل مخاطبا لآدم ان لک الا تجوع فیھا ولا تعری وانک لا تظمؤ فیھا ولا تضحی
ولیس ذلک الا لعدم التحلل کما ان عدم الضحی لعدم الشمس وحملہ علی عدم دوام
الجوع او علی عدم اشتدادہ غیر صحیح ولا الاصح حمل جمیع الافعال المدخولۃ بحرف النفی
علی نفی دوامھا او عدم اشتدادھا وامثال ھذا لا تصح ولا تستقیم الا لوجود ضرورۃ
داعیۃ وای ضرورۃ احوجنا الی صرف اللفظ عن الظاھر وحملہ علی غیر الظاھر
بحیث لا ینتقل الیہ الذھن اصلا والتمسک علی وجود تلک الضرورۃ بقولہ وقلنا
یاآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ وکلا منھا رغدا حیث شئتما ولا تقربا ھذہ الشجرۃ
فتکونا من الظلمین ۵ غیر مستقیم فان اطلاق الاکل واباحتہما لا یقتضی

خداوند تعالیٰ کی کلام سے اس کا وقوع ہی ثابت ہے آیت میں خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے آدم تجھکو
بہشت میں نہ بھوک لگے گی اور نہ تم اسمیں برہنہ ہوگے اور نہ تجھکو پیاس لگے گی اور نہ تم اسمیں چاشت کا
وقت دیکھو گے۔ بھوک کا انکو بہشت میں عارض نہ ہونا اسواسطے تھا۔ کہ وہاں تحلل نہیں تھا جیسا کہ
چاشت کا وقت آفتاب کے نہونے کے سبب نہیں تھا۔ اگر اسکے جواب میں کہینگے کہ اس سے مقصود
یہ ہے کہ ہر ہر وقت میں بھوک نہیں لگو گی یا سخت بھوک نہیں عارض ہوگی۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ غلط
ہے ورنہ چاہئیے جہاں کہیں حرف نفی داخل ہوا ہو وہاں پر ایسا ہی مراد ہو۔ حالانکہ اس قسم کی
تجویز تب تک صحیح نہیں ہے جبتک کہ کوئی ضرورت نہ ہو۔ پھر یہاں پر کہیئے کہ کونسی ضرورت
درپیش ہے کہ ظاہر معنے کو چھوڑ کر ایک ایسے معنے مراد رکھ لیں کہ اسکیطرف ذہن کا انتقال
بھی نہیں ہوتا۔ اگر ضرورت یوں ثابت کریں کہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ "اے آدم تم اور تمہاری
بی بی بہشت میں رہو۔ اور اسمیں فلانے درخت کے سوا جس درخت کا پھل کھانا چاہو گے کھاؤ"
تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ بہشت میں بھی بھوک عارض ہوتی ہے۔ لہذا جہاں پر بھوک کی
نفی کی گئی ہے وہاں سخت بھوک یا دائمی بھوک مراد رکھ لینا چاہیئے"۔ سو اس کا
جواب یہ ہے۔ کہ اس آیت میں صرف آدم علیہ الصلوۃ والسلام وحوا رض
کے لئے بہشت میں کھانا مباح اور جائز کر دیا گیا ہے۔ اور اس سے

Marfat.com

الجوع اذ کما ان الفواکہ فی الدنیا لا توکل الا لحصول اللذۃ لا لدفع الجوع کذا طعام
الجنۃ ولا افتقار الیہ لحصول بدل التحلل ودفع الجوع بل لا جوع ولا تحلل وانما یکون
اکلہ لحصول اللذۃ فقط فان لم تقنع بما قلنا فطالع التیسیر والوجیز وکیف لا مع انہ
قد تاکد وتاید بما صح ان فی الجنۃ بابا یقال لہ الریان من دخل شرب ومن شرب لا یظما
ابدا ولا فرق بین الجوع والظما فکما لا امتناع فی عدم التعطش لا امتناع فی عدم الجوع
ولا یرد علی ما قلنا من انہ اذا امکن سلب التحلل امکن انتفاء الجوع انہ احتجاج بلا دلیل
اذ انتفاء العلۃ لا یستلزم انتفاء المعلول بدلیل ما تقرر عند الاصولیین من جواز تعدد
العلل علی معلول واحد فلا یلزم انتفاء المعلول بانتفاء واحد منها لجواز تحقق تحقق علۃ
اخری منها کعدم صحۃ الاحتجاج علی الحکم بان زیدا لم یمت بانتفاء واحد من علل الموت
کما یقال لانہ لم یسقط من اعلی الجبل فہذا الاستدلال غیر صحیح اذ الموت کما یتحقق بالسقوط

بھوک کا اسمیں متحقق ہونا لازم نہیں آیا ہے۔ اسواسطے کہ یہ ایسا ہے جیسا کہ دنیا میں میوجات تلذذ کے
لئے کھائے جاتے ہیں نہ بھوک کے لئے ویسے ہی بہشت میں جو طعام کھانے کی اجازت دیگئی ہے
اور دیا جائیگا وہ تو صرف تلذذ کے واسطے ہے۔ اسپر بھی اگر اے مخالف قانع نہیں تو تفسیر تیسیر اور وجیز
کا مطالعہ کر۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ
کا نام ریّان ہے۔ اسمیں سے جو داخل ہوگا پیئیگا اور جو پیئے گا پھر کبھی اسکو پیاس نہیں لگے گی۔ ظاہر ہے کہ
پیاس اور بھوک میں کچھ فرق نہیں ہے۔ پس جیسا کہ پیاس کا نہ ہونا ممکن ہوا اسیطرح پر بھوک کا نہ ہونا بھی جائز
ٹھہرا۔ سوال یہ جو تمنے کہا ہے کہ جب تحلل کا سلب ممکن ہوا تو بھوک کا عدم بھی ممکن ٹھہرا۔ یہ تو ایسی ایک
بات ہے کہ اسپر کوئی دلیل نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ علت کے نہ پائے جانے سے معلول کا نہ پایا جانا لازم
نہیں ہوتا۔ پھر کیسے آپ کہتے ہیں کہ تحلل کے غیر متحقق ہونے سے بھوک کا غیر متحقق ہونا جائز ہے۔
کیوں درست نہیں کہ بھوک کے لئے اور ہی کوئی علت ہو۔ جس کے تحقق سے اس کا ہی تحقق
لازم ہو۔ کیا زید کا نہ مرنا۔ اگر یوں ثابت کرنا چاہیں کہ وہ پہاڑ پر سے گر کر نہیں مرا صحیح ہوگا۔
نہیں کیونکہ زید کا مرنا چھت یا درخت پر سے گرنے سے بھی متحقق ہو سکتا ہے۔
علیٰ ہذا القیاس مرنے کے لئے اور

من اعلى الجبل كذلك بعض اعلى سطح البيت ومن فوق الشجرة الطويلة وبضرب من السيف والحجر وامثاله ونحو امراض يستصعب احصائها فبانتفاء واحد منها كيف يجزم بانتفاء الموت اصلا لامكان تحققه بتحقق واحد اخر من تلك الانواع وعدم ورود ه لان التحقيق ان المعلول اذا انحصر فى العلة وتكون العلة لازمة له وهى مفسرة فى كتب القوم بما لولاه لامتنع الحكم المعلول فانتفائها يستلزم انتفاء المعلول اذ لا يتصور تعدد العلل بهذا المعنى حتى يمكن عند انتفاء احدها ثبوته باخرى منها فاذا لم يجز تعدد العلة وانحصر المعلول الواحد فى العلة الواحدة اللازمة له فلو تحقق المعلول مع ارتفاع العلة بهذا المعنى لزم تحقق الملزوم بدون اللازم فالاستدلال على عدم المعلول بانتفاء العلة بهذا المعنى استدلال بانتفاء اللازم على انتفاء الملزوم ولا ريب فى صحته والتخلل بالنسبة الى الجوع كذلك لانه المتوقف عليه الجوع بمعنى لولاه لامتنع بمعنى الامر المصحح

اسباب بھی ہیں جنکے عارض ہونے سے زید مر سکتا ہے۔ پھر اگر ان اسباب میں سے ایک سبب نہ پایا جاویگا تو کیا زید کا مرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ ہوگا دیسے ہی وہ حکم جو آپ لگا چکے ہیں صحیح نہیں ہے۔ الجواب علت دو طرح ہے ایک یہ کہ اگر علت متحقق نہو تو معلول ہرگز متحقق نہیں ہوگا سو اس صورت میں معلول کا اس علت کے بدون پایا جانا ہرگز جائز نہیں کیونکہ بایں معنے علتیں دو تین نہیں ہو سکیں[1]۔ پس جبکہ اس علت کا تعدد اور تکثر جائز نہیں ہے تو معلول اسمیں منحصر ہوگا اور علت اسکو لازم ہوگی اسلئے کہ اگر معلول اس علت کے بغیر پایا جاویگا تو ملزوم کا لازم کے بغیر پایا جانا متحقق ہوگا حالانکہ یہ باطل ہے لہذا ہمارا یہ قول کہ بھوک نہیں ہے کیونکہ تخلل نہیں ہے" صحیح ہوا کیونکہ تخلل بایں معنے کہ "وہ اگر نہ متحقق ہو تو بھوک بھی متحقق نہیں ہوگی"! بھوک کے لئے علت ہے۔ تخلل بھوک کیواسطے علت بایں معنے نہیں ہے کہ "وہ جسوقت پایا جاویگا تو بھوک بھی متحقق ہوگی" (یعنی معنے اذا وجد وجد) اسلئے یہ استدلال کہ بھوک کا بغیر متحقق ہونا ممکن ہے کیونکہ تخلل کا عدم جائز ہے"! درست ہوگا۔

البتہ بھوک کھانے کے واسطے بمعنے مصحح

[1] کیونکہ ہر ایک پر یہ عبارت کہ "اگر وہ نہو تو معلول بھی نہیں ہوگا" ہرگز صادق نہیں آیگی بلکہ ہر ترپوں کہنا پڑیگا کہ اس علت کے غیر متحقق ہونے کی حالت میں معلول متحقق ہو سکتا ہے ۱۲ مترجم

[2] اس قسم کی علت کو مصحح لدخول الفاء کہتے ہیں جیسا کہ خاص رکن اور تمام چھت کے لئے علت ہو کیا معنے کہ اگر یہ خاص رکن ہونگے تو چھت قائم رہیگی۔ اگر انکے قائم مقام اور تہم بھی رکھ جائیں تو بھی قائم رہیگی ۱۲ مترجم

Marfat.com

لدخول الفاء فيصح الاستدلال على امكان انتفاء الجوع بامكان انتفاء التحلل نعم الجوع علة للاكل بالمعنى الاخير ولذا لا يلزم من انتفاء الجوع انتفاء الاكل لجواز تحققه بدونه بعلة غير الجوع كاستحصال اللذة وقصد علاج ونحوه وهذا واضح على من له ادنى تامل واستدل ايضا ببعض هذه الاية وهو قوله تعالى وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ وبقوله تعالى وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ وتحرير استدلاله هذا انه لو كان المسيح عليه السلام حيا للزم ان يكون خالدا وقد نفى الله الخلود عن كل افراد البشر في هاتين الايتين وجوابه ان الخلود المنفي في كلتا الايتين هو الخلود بمعنى دوام الحيوٰة في الدنيا لا بمعنى طول العمر بل لا حقيقة للخلود الا دوام الحيوٰة كما لا يخفى على من هو ماهر في معاني اللغة ومفاهيم نظم القرآن قال تعالى في حق اهل الجنة اولٰئك اصحاب الجنة هم فيها خٰلدون وفي حق الكفار اولٰئك اصحٰب النار هم فيها خٰلدون وعلى هذا فمعنى الايتين نفي دوام الحيوٰة في الدنيا لفرد من افراد البشر وهو نقيض الدائمة المطلقة

لدخول الفاء (اسکا معنے وہی ہے جو ابھی گذرا) علت اور سبب ہے کیونکہ کہانا بہوک کے بغیر بھی متحقق ہوسکتا ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ لذت یا کسی علاج کے واسطے بھی کہاتے پیتے ہیں۔ قادیانی اس استدلال کو بھی پیش کرتے ہیں کہ خداوند عز اسمہ فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے نہیں تھے نیز کہ ہمنے یا رسول اللہ آپسے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی ہے کیا اگر آپ مر جائیں تو آپکے مخالف ہمیشہ رہینگے؟ اس استدلال کی توضیح تنقیح اس طرحپر ہے کہ مسیح علیہ السلام اگر ابتک زندہ ہوتے تو انکا ہمیشہ زندہ ہونا لازم آویگا حالانکہ خداوند تعالے نے صاف فرمایا ہے کہ کسیکو ہمیشگی نہیں ہے۔ الجواب دونوں آیتوں میں جو ہمیشگی کی نفی کی گئی ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ طویل العمر بھی نہیں بنایا گیا بلکہ دراصل اسکا معنی تو یہ ہے کہ کوئی ابدالآباد خدا کی طرح زندہ نہیں رہیگا۔ اگر اسے مخالف اسپر آگاہی نہیں ہے تو کتب لغات مفاہیم قرآن کو غور سے دیکھو دیکھتے نہیں کہ قرآن شریف میں بہشتیوں کے حقمیں فرمایا ہے کہ وہ بہشت میں خالدین اور ہمیشہ رہینگے۔ دوزخیوں کے حقمیں ارشاد ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہینگے۔ لہذا دونوں آیتوں میں جو خلود ہمیشگی مذکور ہے اسکا معنے دوام ہے پس نفی اگر ہے تو دوام کی ہے لا غیر۔ یہ (یعنے نہیں کوئی ایک بھی آدمیوں میں سے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے) دائمہ موجبہ جزئیہ مطلقہ کی نقیض ہے،

Marfat.com

الموجبۃ الجزئیۃ اعنی قولنا بعض البشر حی دائما وھذہ قضیۃ کاذبۃ قطعا وبلازم ذلک النقیض الصریح قولنا لا شئ من البشر بحی بالفعل وھی قضیۃ صادقۃ لصدق ملزومہا الثابت بقول اللہ عزوجل المذکور لاستلزام تحقق الملزوم تحقق اللازم فھذہ المطلقۃ العامۃ السالبۃ لا تستوجب موت المسیح فی الزمان الماضی خاصۃ اذ لا اختصاص للاطلاق والعام بزمان دون زمان بل تقتضی موتہ فی الجملۃ والمسلمون باجمعہم قائلون بوقوع موتہ فی مبادی الساعۃ فما لزم وثبت بالاٰیتین غیر مناقض ولا مناف لاعتقاد کون المسیح حیا الاٰن ومانیا فی لذالک الاعتقاد الصحیح الحق الصریح من دوام الحیوۃ فی الدنیا وعدم الموت عدما مؤبدا غیر ثابت بالاٰیتین فالثابت غیر محال والمحال غیر ثابت وحمل الخلود فی الاٰیتین علی معنی طول العمر مجازا لا یصح اذ حمل اللفظ علی المعنی المجازی بغیر قرینۃ صارفۃ

(وہ یہ ہے کہ بعض آدمی دائما زندہ ہیں) لیکن یہ قضیہ کاذب ہے اسلئے کہ اسکی نقیض کہ نہیں ہے کوئی بشر بالفعل زندہ" صادق ہے کیونکہ اس کا ملزوم (یعنے نہیں ہے کوئی ایک ہی آدمیوں میں سے الخ) جو قرآن سے ثابت ہے حق ہے وجہ یہ ہے کہ ملزوم کے متحقق ہونے کو لازم کا تحقق ضروری ہے۔ پس یہ مطلقہ عامہ سالبہ کہ "نہیں ہے کوئی بشر بالفعل (تین زمانوں میں کسی زمانہ میں) زندہ" مسیح علیہ السلام کی موت کو زمانہ گزشتہ میں مستلزم نہیں ہے کیونکہ جس خبر کا پایا جانا تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں معتبر ہو تو اسکا خاص ماضی یا خاص مضارع میں متحقق ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یوں ضروری ہے کہ وہ (جیسے موت المسیح کا) کسی نہ کسی زمانہ میں وجود ضروری ہے خواہ مستقبال میں ہی ہو ماضی میں تو ضروری نہیں ہے یہ ظاہر ہے کہ اہل اسلام سلفا وخلفا اسکے قائل ہیں کہ مسیح علیہ السلام بعد نزول قریب قیامت کے مر جائینگے۔ اب یہ قرآن سے بالکل مخالف نہیں ہے کیونکہ قرآن سے تو دوام الحیوۃ کی نفی ثابت ہے۔ جو ہمارا اعتقاد و باقی اسلامیوں کا عقیدہ ہے اسکے منافی نہیں ہے بنا بریں ہم کہتے ہیں جو ثابت ہوا وہ محال نہیں۔ جو محال ہے وہ ثابت نہیں سوال دونوں آیتوں میں خلود کا معنے طول بقا بطور مجاز کے ہے۔ جواب یہ بھی غلط ہے[1] کیونکہ اس لفظ کو وضعی اور حقیقی معنے سے چھوڑ کر غیر حقیقی میں مستعمل کرنا تب ہی جائز ہوگا۔ کہ کوئی قرینہ جو حقیقی میں استعمال کرنیسے

[1] بعض احادیث میں آیا ہے کہ اب سے سو برس سے زیادہ عمر نہیں ہوگی۔ سو یہ باعتبار اکثر کے ہے ورنہ یہ حدیث واقع اور مشاہدہ کے برخلاف ہوگی نیز اس حدیث کا یہی مطلب اور حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے چنانچہ ہم اسکی تحقیق بعض ابواب انوار محمدی میں کر چکے ہیں ۱۲ مسترجم

Marfat.com

عن معناه الموضوع له غير جائز اذ ليس للعمر حد معين حتى يصح حمله عليه والقول
بان العمر الطبعي مائة وعشرون قول مشهوري لا يوجد عليه دليل لا نقلي ولا عقلي
والمشاهدة شاهدة عادلة والنقول متعاضدة بوجود الذين تجاوزوا من مائة
وعشرين في السلف والخلف ولولا خوف الاطالة لادرجت بعدما استقريت
الا ترى انه قد صرح محققوا الاطباء بعدم وجود الدليل على هذا القول المشهور
وكذا لم يوجد دليل شرعي عليه بل ورد الدليل على خلافه قال تعالى في حق نوح فلبث
فيهم الف سنة الا خمسين عاما فحمله على ما حمله الكاذب يفضي الى التناقض
بين الآيتين وبين قوله تعالى الما ارانقا في حق نوح عليه السلام فهل هذا الا سفاهة
وجهالة او زندقة وضلالة اعاذنا الله تعالى من سفاهة السفهاء وجهالة الجهلاء وادخلنا
في زمرة العلماء العاملين وجعلنا من الائمة المتقين الهادين المهديين بجاه خير النبيين

روکتا ہو"۔ پایا جاوے لیکن قرینہ تو موجود نہیں ہے البتہ اگر عمر کے واسطے کوئی معین حد ہوتی
تو بیشک یہ قرینہ تھا۔ مگر وہ ہی معین نہیں ہے بلکہ یہ جو اسبات پر کہ عمر طبعی ایکسو بیس برس ہے غرہ
نہو جاوے یہ تو ایک مشہوری بات تحقیق سے مخالف ہے اسپر نہ تو نقلی نہ عقلی دلیل ہے نیز مشاہدہ کے
برخلاف ہے۔ کئی لوگ ایسے پائے گئے ہیں اور پائے جاتے ہیں جو اس عمر سے متجاوز ہو کر مرے
ہیں۔ خود اطبا نے بھی تصریح کی ہے کہ اس مشہور بات پر کوئی بھی دلیل نہیں ہے خاصکر
شرع شریف سے صاف صاف ثابت ہے کہ یہ عمر طبعی نہیں ہے۔ دیکھو قرآن شریف میں نوح
علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ نوح قوم کے درمیان ساڑھے نوسو برس تک رہے ہیں پس اگر
اگر کادیانی وہ معنے لیں گے تو قرآن شریف میں تناقض ثابت ہوگا۔ حالانکہ یہ باطل ہے خداوند تعالے
ہمکو گمراہوں کی گمراہی۔ زندیقوں کی زندیقی سے اپنی پناہ میں رکھے۔ صالحین کے زمرہ میں داخل کرے

پروردگار ہمکو ہادی۔ ہدایت یاب مقتداؤں
سے بطفیل اپنے حبیب محمد
رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم

Marfat.com

واٰلہ وصحبہ اجمعین۔ واستدل ایضًا بقولہ تعالیٰ ومنکم من یتوفّٰی و
منکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم بعد علم شیئًا وتہذیبہ ان ھٰذا
التقسیم حاصر لجمیع افراد البشر کحصر الزوج والفرد لجمیع افراد العدد بحیث
لا یجتمع وصفا التوفی والرد الی ارذل العمر فی فرد من البشر ولا یخلو فرد من کلیہما
کما لا یجتمع الزوج والفرد فی عدد ولا یخلو العدد من کلیہما فالقضیۃ منفصلۃ
حقیقیۃ فاذا لم یمت المسیح ولم یعرضہ ارذل العمر لزم ارتفاع کلا جزئی الحقیقیۃ
وہذا غیر ممکن فہذا المحال انما لزم من فرض عدم موتہ فیکون باطلا فیثبت نقیضہ
وھو موت المسیح فذلک ھو المطلوب والجواب انہ یمکن التقسیم بین ظاھر مفہومی

انکی آل واصحاب کے بناء ہے۔ کادیانی اپنے مدعا کے ثابت کرنے کے لئے یوں بھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض تم میں سے اے بنی آدم ایسے نہیں کہ وہ ارذل عمر تک پہونچیں پہلے ہی مارے جاتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ انکو ہم ارذل العمر تک پہونچاتے ہیں۔ پھر بیوقوف بناتے ہیں ایسا کہ وہ سیکھے سکھائے کو بھول جاتا ہے۔ اس استدلال کی اصلاح اس طرح پر ہے کہ جیسے جفت اور طاق عدد کے افراد کو حاصر ہے ویسے ہی مرجانا۔ ارذل العمر تک پہونچنا تمام افراد انسان کو حاصر ہے پس جیسے کہ عدد کے افراد میں جفت وطاق جمع نہیں ہوتا نہ دونوں سے خالی ہوتے ہیں۔ ویسے ہی افراد انسان ان دونوں سے نہ تو خالی ہوسکتے ہیں اور نہ یہ دونوں انمیں اکٹھے پائے جاسکتے ہیں۔ پس یہ ایک قضیہ منفصلہ حقیقیہ[1] ہوا۔ اب بھی اگر تم کہو گے کہ مسیح علیہ السلام نہ تو مر گئے ہیں اور نہ ارذل العمر انکو عارض ہوگئی ہے تو بداہۃً ان دونوں کا افراد انسان کے بعض سے ارتفاع لازم آویگا۔ حالانکہ دونوں کا مرتفع ہونا باطل ہے۔ چونکہ یہ امر محال مسیح علیہ السلام کی زندگی کے فرض کرنے سے لازم آیا تو مفروض بھی محال ہوا۔ جب زندگی محال ہوئی تو اسکی نقیض (یعنے انکا مرنا) ثابت ہوئی۔ یہی مقصود تھا۔ **الجواب** من یتوفی (یعنے جو شخص مارا جاتا ہے)

---

[1] منفصلہ حقیقیہ جیسے کہیں کہ زید یا پہلے ہی مریگا۔ یا ارذل العمر تک پہونچکر مرے گا۔ اب آمیں یہ ضروری ہے کہ نہ تو یہ ہو کہ زید پہلے ہی مرے اور ارذل العمر تک بھی پہونچے۔ اور نہ یہ کہ نہ وہ ہو نہ یہ۔ ہذا بناءً علی قول الکادیانی ۱۲ منہ مترجم

Marfat.com

من يتوفى ومن يرد لان من يرد بحسب مفهومه يندرج في من يتوفى لانه
اخص منه فان من يرد الى ارذل العمر لا محالة يدركه التوفي والتوفي متحقق بدون
الرد ايضا كما هو معه فالمتوفي اعم من يرد وتقسيم الشئ الى نفسه والى ما هو
اخص منه غير صحيح بل غير متصور لانه عبارة عن جعل الشئ الواحد بالوحدة
المبهمة متعددا بضم قيود متعددة مختلفة فان كانت القسمة اعتبارية كتقسيم
كل ماهية الى حصصها وافرادها الاعتبارية يكون التقييد بها داخلا في عنوانها
دون الحقائق والمعنونات والقيود غير داخلة اصلا لا في هذه ولا في تلك و

اور من یرد (یعنے جو شخص ارذل العمر تک پہونچایا جاتا ہے) کے ظاہر معنے کیطرف لحاظ کرکے یہ
تقسیم درست نہیں ہے. سبب یہ ہے کہ جو ارذل العمر کیطرف مردود ہوتا ہے وہ باعتبار اپنے معنی کے
من یتوفی میں داخل ہے کیونکہ وہ خاص اور یہ عام ہے۔ کیا یہ معلوم نہیں ہے کہ جو ارذل العمر تک پہنچتا ہے
اسکو بھی موت لاحق ہوتی ہے۔ اور موت اسکے بغیر بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ بات آئی یت
سے ثابت ہے پس متوفی جب کہ من یرد سے عام ہوتو یہ تقسیم اسواسطے درست نہیں ہے کہ یہ ایک
چیز کو اپنے آپ اور اخص پر بانٹتا ہے"۔ حالانکہ تقسیم جب ہی درست ہوتی ہے کہ اقسام مقسم سے
مغائرت رکھتی ہوں نہ کہ ایک قسم عین مقسم ہو اور دوسرا غیر بلکہ ایسی تقسیم متصور ہی نہیں ہے اسلئے کہ
تقسیم کے یہ معنی ہیں کہ ایک چیز کو بلا اسکے کہ آپمیں خصوصیۃ اور عموم کا لحاظ کریں" لیکن اسکو مختلف[1]
قیدیں لگائی جائیں پھر اگر یہ تقسیم اعتباری ہے تو مضاف الیہ یا صفت وغیرہ کے ساتھ عبارت
میں تقیید داخل ہوگی۔ معنوں سے خارج جیسے مطلق سیاہی کو جب پتھر کی یا گھوڑے کی
یا حبشی کی سیاہی کیطرف تقسیم کریں" یا تقسیم واقعی ہوگی۔ لیکن یہ تب ہوگی کہ ماہیت کو

[1] ۔ مثلا کلمہ اور لفظ کو ہم بلالحاظ خصوص اور عموم کے جتنے مرتبہ لابشرط شئے" کہتے ہیں لیکر ایک
یہ قید لگا دیں کہ اپنے معنے پر بالاستقلال دلالت کرے اور کوئی زمانہ اس سے مفہوم نہ ہوے تو یہ کلمہ
کہلاتا ہے۔ اگر اپنے معنے پر بالاستقلال دلالت کرے مگر اس سے کوئی زمانہ بھی مفہوم ہوتا ہے تو یہ فعل کہلاتا ہے
علی ہذا القیاس اور ایک قید لگانیسے وہ حرف کہلاتا ہے۔ اب دیکھو کہ کلمہ مقسم ہے اور یہ تینوں اسکی قسمیں ہیں مگر یہ تقسیم مختلف
قیود لگانے سے حاصل ہوے ۱۲ مترجم

اگر کانت حقیقیۃ فاما بالمقومات المحصلۃ والفصول المنوعۃ فیکون القیود داخلۃ فی المعنونات وان بالعوارض المخصصۃ فالقیود داخلۃ فی العنوانات دون المعنونات وظاہر ان الانسان لو کان منقسماً الی المتوفی والی من یرد لکان انقسامہ بہذین الوصفین انقسام الشئی بالعوارض المخصصۃ الممیزۃ لبداہۃ خروج وصفی التوفی والرد عن الانسان والتمیز لقسم انما یحصل بوصف یختص بذلک القسم ولا یوجد فی قسیمہ والتوفی لیس کذلک لتحققہ فیما زعم المستدل قسیماً للمتوفی ایضا فاذا انتفی الاختصاص والتمیز انتفی التقسیم وان تاملت حق التامل تیقنت بالتقسیم بین من یتوفی من غیر ان تعرضہ حالۃ الرد وبین من یتوفی مع عروضہا

فصول کے ساتھ تقسیم کریں۔ مگر اس صورت میں فصل کی قید معنوں میں داخل ہوگی جیسے حیوان کو ناطق یا ناہق سے مقید کریں۔ قید مع مقید پر انسانیہ یا حماریہ کا حکم لگادیں یا اگر ماہیت کو عوارض سے مقید کر کے تقسیم کریں۔ قید کو معنوں میں داخل سمجھیں۔ چنانچہ لکھنے والا انسان۔ غیر کاتب انسان۔ پس صورت اولیٰ میں حیوان انسان۔ حمار کہلائے گا۔ دوسری صورت میں زید اور عمرو وغیرہ کہلائے گا۔ یہی تقسیم ہے۔ جب یہ سمجھ گئے تو یہ بھی سمجھ لیں کہ انسان کو اگر متوفی۔ من یرد کیطرف تقسیم کریں گے تو یہ تقسیم ایسے عوارض کے ساتھ ہوگی جو الگ قسم اور خاص بنانے والے ہیں کیونکہ جو چیز کہ حقیقت سے خارج ہو وہ عرض ہے۔ پس چونکہ توفی اور رد یہ دونوں انسان کی حقیقت سے خارج ہیں عوارض ہیں۔ لیکن تقسیم میں جو یہ بات ضروری ہے کہ اقسام آپسمیں غیریت رکھتے ہوں اور ہر ایک جب ہی ممتاز ہوگا کہ ایک کا وصف دوسرے میں متحقق نہو حالانکہ توفی ایسا نہیں ہے۔ اسواسطے کہ یہ وصف مَن یُرَدّ میں بھی متحقق ہوتا ہے۔ پس اس وصف کی ایک چیز کے ساتھ کیا خصوصیت رہی۔ کیا تمیز دے سکتا ہے۔ لہذا کادیانی نے جسکو تقسیم سمجھا تھا وہ تقسیم ہی نہیں ہے۔ ہاں بلاشبہ اگر مُطلق مَن یَتَوَفّٰی کو لیکر یہ دو قسم کر ڈالیں تو صحیح ہے چنانچہ کہیں کہ ایک سو من یتوفے وہ ہے کہ

لہ معنوں میں داخل ہونے کے یہی معنے ہیں ۱۲ مترجم

ويد ورحينئذ المتوفى مطلقا المتلازم للانسان بين قسميه كما يدور الحيوان المنقسم الى قسميه من الناطق وغير الناطق فمحل التقسيم ومورد القسمة هو المتوفى مطلقا والقسمان اللذان ينقسم اليهما هما المتوفى المعروض للرد والمتوفى الذى ليس كذلك فهذا التقسيم صحيح وحاصر و بحصر المتوفى المطلق اللازم ينحصر الانسان الملزوم ولا يلزم التنافى بين القول بعدم مضى موت المسيح عليه السلام وبين ذلك الحصر لكفاية القول بوقوع موته فى الاتى لصحة ذلك الحصر وهو عليه السلام داخل فى الشق الاول من الحصر وليس من لوازم دخوله فيه مضى موته البتة فان الشق الاول مذكور بصيغة المضارع دون صيغة الماضى ولعل المستدل الكائد اشتبه عليه لفظ يتوفى المضارع المجهول بصيغة توفى الماضى المجهول فتفوه بما تفوه ولم يات بشئ معقول نعم انما يلزم ابطال الحصر لو قيل بتابيد حيوته وخلوده فى الدنيا فحينئذ لا ترتفع كلا الشقين ولوجد قسم اخر من الانسان لم يوجد فيه التوفى مطلقا

جسکو رد کی حالت عارض نہیں ہوتی۔ دوسرا وہ ہے کہ جسکو یہ حالت عارض ہوتی ہے۔ البتہ اس طریق پر متوفی دونوں میں مشترک ہوگا۔ اب جسطرح کہ حیوان محل قسمت ہے۔ حیوان ناطق۔ حیوان ناطق۔ اسکے دو قسم ہیں ویسے ہی مطلق متوفی محل تقسیم ہے اور متوفی جسمیں رد کی حالت کا عارض ہونا معتبر ہے۔ اور متوفی کہ جسمیں اس حالت کا عارض ہونا ملحوظ ہے۔ اسکے دو قسم ہونگے مطلق متوفی کے جو لازم ہے" محصور ہونے سے انسان کا جو ملزوم ہے" محصور ہونا متحقق ہوا رہتی یات کہ مسیح علیہ السلام کا اگر زمانہ ماضی میں نہ مرنا ہی مانا جائے تو یہ اس حصر سے منافی ہے۔ سو یہ مغالطہ ہے کیونکہ مسیح علیہ السلام پہلی شق (یعنے متوفی سوا اسکے کہ اسکو رد کی حالت عارض ہو) میں داخل ہے۔ پس مسیح م کا زمانہ ماضی میں نہ مرنا منافی حصر نہیں ہے۔ اسلئے کہ حصر صحت کے واسطے اتنا کافی ہے کہ وہ زمانہ مستقبل میں مرجائیں حصر کے لوازم سے یہ تو نہیں ہے کہ وہ زمانہ ماضی میں مر گئے ہوں کیا دیکھتے نہیں کہ شق اول بصیغہ مضارع مجہول آیت میں بیان کی گئی ہے نہ بصیغہ ماضی شاید کادیانی مضارع وماضی میں فرق نہیں کرتے ہیں۔ اسیواسطے جو کچھ خیال میں آیا لکھ مارا۔ بیشک اگر مسیح علیہ السلام کا دنیا میں ہمیشہ زندہ رہنا مانا جاتا تو یہ حصر سے منافی تھا۔ دید یہ ہے کہ پھر

Marfat.com

فکان محالاً لان یرد علیہ بانہ اما ان یوجد فی ذالک القسم الخارج عن القسمین
الذی فرض مؤبداً ومخلداً مطلق التوفی وھذا مع کونہ بدیھی الاستحالۃ لتنافی
ابدیۃ الحیوۃ والتوفی یقتضی ابطال الحصر لوجود المقسم بدون ما انقسم الیہ
من القسمین واما ان لا یوجد فیہ بسبب انتفاء جمیع موارده وارتفاع ما انحصر
فیہ وھذا یفضی الی القول بعدم لزوم التوفی للانسان وذالک باطل بدلیل قولہ
تعالی کل نفس ذائقۃ الموت واما الی القول بجواز حصر اللازم فی شئ بدون
حصر الملزوم فی ذالک الشئ وھو ایضاً باطل للزوم انفکاک اللازم عن الملزوم
وھذہ المحالات انما ھی لازمۃ علی القول بتابید حیوتہ علیہ السلام فیکون باطلاً
ولا تلزم للقول بطول حیاتہ مع وقوع موتہ فی المستقبل وبینہما بون بعید وبعد
ذالک الکاذب ھذہ الاستدلالات من الاستدلال بالعمومات ثم استدل علی

تیسری قسم کا انسان کہ جسمیں مطلقاً توفی نہیں تھا ماننا پڑتا۔ پس بریں تقدیر یہ اعتراض وارد
ہوتا کہ "اس قسم کے انسان میں مطلق توفی پایا جاتا ہے یا نہ۔ اگر پایا جاتا ہے تو یہ باطل ہے۔
کیونکہ ابدیت ایک تومنافی موت ہے۔ دوم اس صورت میں حصر باطل ہوتا ہے۔ اس واسطے
اس صورت میں مقسم کا ان دو قسموں کے بغیر جنکی طرف اسکو تقسیم کیگئی تھی" موجود ہونا
لازم آوے گا۔ اگر انسان میں مطلق توفی متحقق نہیں ہے۔ اس سبب سے کہ وہاں پر اس مطلق کا
محل "جنمیں منحصر تھا پائے نہیں جاتے" تو اس سے دو محالوں میں سے ایک محال لازم ہوگا۔ یا یہ کہ
توفی انسان کو لازم نہیں حالانکہ یہ باطل ہے اسلئے کہ خداوند تعالی فرماتا ہے کہ ہر ایک نفس موت
کا مزہ چکھیگا۔ یا لازم آویگا کہ ایک لازمی امر کسی چیز میں منحصر ہوا اور ملزوم اسمیں منحصر نہ ہو۔ یہ بھی
محال ہے کیونکہ اس صورت میں لازم کا ملزوم سے جدا ہوتا ظاہر ہے حالانکہ یہ بھی باطل ہے۔
اب چونکہ یہ سب محالات اس صورت پر عائد ہوتے ہیں کہ "مسیح علیہ السلام کا ہمیشہ زندہ رہنا مان لیا
جاوے تو یہ بھی باطل ہوا لیکن یہ محالات جس تقدیر پر کہ مسیح علیہ السلام کے لئے طول بقا مستقبل
میں مرجانا" مراد لیں گے عائد نہیں ہونے۔ اب تک کادیانی عبارات کے عموم سے استدلال
کرتے تھے۔ اب اپنے

Marfat.com

زعم بالخصوصات منها حديث المعراج الدال على ملاقات نبينا صلى الله عليه
وسلم مع ابني الخالة يحيى وعيسى عليهما السلام في السماء الثانية وتنقيحه انه لم يكن
ميتا لما اجتمع عيسى مع الاموات من النبيين في مقار ارواحهم اقول ان هذا الاستدلال
مما يضحك عليه البله والصبيان فانه لوكان الاجتماع معهم يستلزم موت من يجتمع
معهم لزم كون نبينا صلى الله عليه وسلم ميتا حين اجتماعه معهم وهل هذا الا خبط
او جنون ولو ادعى طول اجتماعهما وكون الاجتماع الكذائي داعيا للاتحاد بينهما
في وصف الموت وان هذا النوع من الاجتماع لم يوجد لنبينا صلى الله عليه وسلم
مع ارواح النبيين فلا يلزم كونه مثلهم بخلاف عيسى ويحيى عليهما السلام
فانهما معا مستقران في تلك السماء فيلزم ان تكون حال احدهما كحال الآخر قلنا
منعنا المقدمتين من كون السماء الثانية مقرا لكليهما ومن كون هذا النوع من الاجتماع
علة لاتحاد حالتي المجتمعين وسند المنع الاول انه لا يلزم من ملاقات رسول الله
صلى الله عليه وسلم مع نبي الله يحيى كون يحيى عليه السلام مستقرا مقيما في تلك السماء
بل يجوز ان تكون ملاقاتهما كملاقاته مع جميع الانبياء في الاقصى بان يكون مقرهم

مدعا کے لئے حدیث معراج پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول کریم صلعم
نے دوسرے آسمان پر مسیح - یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات کی تنقیح الاستدلال اگر مسیح علیہ
السلام مرے نہ ہوتے تو یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ جو اموات میں داخل ہیں کیوں مجتمع ہوتے۔ الجواب
کہ یہ قول بالکل لچر ہے کیا اگر اموات کے ساتھ مجتمع ہونا مصاحب کے میت ہونیکو بھی چاہتا تو رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو معراج کی رات میں اموات کے ساتھ مجتمع ہوتے تھے تو وہ بھی اس حالت میں میت ہی
تھے۔ آپکو کیا مرکر معراج ہوا تھا۔ زہے دانش۔ شاید کادیانی یوں بھی کہدیں کہ مدت دراز تک میت کے
ساتھ مجتمع ہونا یہ اسکو چاہتا ہے کہ ہم صحبت بھی میت ہو۔ سو یہ بھی غلط ہے۔ اولاً کہ جائز ہے یحییٰ علیہ
السلام کا دوسرا آسمان مقر نہو بلکہ اس خاص وقت میں انکو دوسرے آسمان پر مستقر ہونیکا حکم دیا گیا تھا۔
جیسا کہ رسول کریم ؐ کو حضرات انبیاء علیہم السلام سے مسجد اقصیٰ میں یا آسمانوں پر خواہ ارواح متمثل
تھے یا مع اجسادہا "بعینہا" ملاقات ہوئی تھی حالانکہ ان کے ارواح

Marfat.com

العلیین وامروا بالذهاب الی المسجد الاقصیٰ او الی السمٰوٰت المختلفة من مقرهم الاصلی باجسادهم بعینها او بارواحهم بالتمثل بامثال اجسادهم وکل ذٰلک ممکن او یکون مقرهم القبور کما رئی موسیٰ علیه السلام یصلی فی قبره فامروا بالذهاب الی الاقصیٰ والی السمٰوٰت کذٰلک فان قیل ان هٰذا القول قول بعروجه صلی الله علیه وسلم بالعروج المثالی قلت کلا فان عروجه علیه السلام عروج عینی واقع بجسده الطاهر الاشرف ولا یلزم من رؤیته المثل رؤیته بالمثال فان رؤیته الاشیاء فی لیلة المعراج تنوعت فقد رای بعض الاشیاء انفسها وبعضها بامثالها کما یظهر لمن طالع ما ورد فی بیان معاملة الاسراء ذهابًا وایابًا وفرق بین کون المثال مرئیا وبین کونه رائیا

اعلیٰ علیین تھے یہ سب ممکنات سے ہے۔ یا یہ کہ انکا دراصل مقر قبور ہی ہیں (چنانچہ حدیث میں آچکا ہے کہ موسےٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا گیا ہے) لیکن انکو اسوقت آسمان پر یا مسجد اقصےٰ میں جانے کا حکم دیا گیا تہا۔ **سوال** یہ تو ہمارا عین مدعا ہے کہ معراج مثالی ہے۔[1] **الجواب** آپ نے معراج کو مثالی جان لینا ہی غلط ہے بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معراج جسد عنصری لطیف کے ساتھ تہا نہ مثالی اور کشفی طور پر کیونکہ صحیح احادیث میں جو حالات آمد و رفت کی حالت میں مذکور ہیں انسے صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسمانی معراج تہا۔ ہاں مثال کو دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انھوں نے مثال کے ساتھ ہی دیکھا ہو۔ مثال کا مرئی ہونا اور ہے اور رائی ہونا اور ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ آپنے معراج کی حالت میں کئی چیزوں کی مثال کو۔ اور کئی چیزوں کے عین کو ملاحظہ فرمایا ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ کے پڑہنے سے معلوم ہوگا

[1] کادیانی کا بیان ہے کہ رسول کریم صلعم کے معراج کی حقیقت یہ ہے کہ آپ بذات خود زمین پر ہی تہے۔ مگر کشف کے طور پر آپ پر مسجد اقصیٰ آسمانوں کے حالات ظاہر کر دیئے گئے چنانچہ انکے بڑے خلیفہ نے ایک اشتہار میں جسکا نام مولوی احسن امروہی ہے کہا ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی اسیکے مطابق لکھتے ہیں۔ لیکن حجة اللہ البالغہ کا یہ مقام دیکھا گیا تو فی الحقیقۃ شاہ صاحب کا وہی مطلب ہے، جو ہرگز خلاف عقیدہ قدیمہ نہیں۔ گو اُس خلیفہ نے اپنے زعم میں اسے ہی کچھ اپنے مطلب کے موافق سمجھا ہوا تھا سبحان اللہ اگر ایسے منصف ہوا تو سب متقدمین و متاخرین کو بدنام کر ڈالینگے یہ غضب ہے کہ کادیانی کہتا ہے کہ رسول کریم صلعم جسم کثیف کے ساتھ معراج نہیں ہوا" نعوذ باللہ منہ دیکھئے کیا یہ ادب ہے اور دعویٰ مجددیت کا ۱۲ منہ

فلم یلزم المحذور وبھذا وضح انہ لا یلزم من اجتماع المسیح ویحیی فی السماء کون کلیہما مقیمین فیہا فضلا عن کونہما مشارکین فی وصف الموت کما زعمہ وسند المنع الثانی ظاھر فان اتحاد المکان ولو علی سبیل القرار لا یستلزم اتحاد المتمکنین فی الاوصاف کلہا فتامل یظھر لک حقیقۃ ما قلنا ومن دلائلہ الخاصۃ علی حسب زعمہ قولہ تعالیٰ انی متوفیک وقولہ عزوجل فلما توفیتنی وما ھذا فی الحقیقۃ الا تمویہ للباطل وایہام جہلۃ الناس وایقاعہم فی الضلالۃ والحیرۃ واذا خذنا ان ھذین القولین الکریمین لا یدلان علی مزعومہ اذ التوفی عبارۃ عن اخذ الشئ وافیا ومادتہ الوفاء ومن الاصول المقررۃ والقواعد المسلمۃ ان اصل الماخذ بمفہومہ معتبر فی جمیع تصاریفہ واذا اختلفت الصیغ والابواب واعتبارہ فیہا اعتبار الجزء فی الکل الا تری الی لفظ العلم فان معناہ حصول صورۃ الشئ عند العقل والاضافۃ بین العالم والمعلوم او نسبۃ ذات اضافۃ کذا ابتداء او

لہٰذا کوئی محال عائد نہیں ہو سکتا؛ اس سے بخوبی واضح ہو گیا ہے کہ مسیح علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کے دوسرے آسمان پر مجتمع ہونے سے دونوں صاحبوں کا آسمان دوم پر مقیم ہونا ضروری نہیں ہے۔ پھر یہ کب لازم آسکتا ہے کہ جیسے یحییٰ علیہ السلام میت تھے ویسے ہی مسیح علیہ السلام بھی ہونے چاہیں ثانیاً گو دو شخص ایک ہی مکان میں دائمی طور پر مقیم بھی ہوں تو کیا اس سے ان دونوں کا ہر وصف میں یکساں ہونا لازمی ہے ہرگز نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ قادیانی اپنے گمان فاسد سے اس آیت کو اپنے مدعا کے لئے دلیل سمجھتے ہیں کہ اس آیت (انی متوفیک) اور دوسری آیت (فلما توفیتنی) میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مسیح میں تیرا متوفی ہوں۔ جب تو نے مجکو توفی دی۔ لیکن دراصل یہ استدلال محض ملمع ہے جاہلوں کو ورطۂ ضلالت میں ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ خیر بہرحال ہم اس کی تردید کریں گے۔ وہ یوں ہے کہ توفی کا معنے لغۃً کسی چیز پر پورے طور پر قبضہ کرنا ہے اور اس کا مادہ (یعنے جس سے یہ لفظ لیا گیا ہے اور اسکو ماخذ بھی کہتے ہیں) وفا ہے۔ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ ماخذ کا معنے ماخوذ کے اندر ملحوظ ومعتبر ہوتا ہے گو انکی صورتیں اور صیغہ مختلف ہوں یا ماخذ کا معنے ماخوذ میں اسطرح داخل ہوتا ہے جیسے کہ جزء کل میں داخل ہوتی ہے۔ دیکھو علم کا لفظ (خواہ اسکا معنے عقل میں شے کی صورت کا حاصل ہونا۔ یا عالم ومعلوم کے درمیان نسبت ہونا خواہ کہ ایک اضافت والی چیز ہے۔ یا

Marfat.com

الصورة الحاصلة او الحالة الادراكية او تحصل صورة الشیٔ علی حسب تنوع آرائهم وهذا المعنى يكون داخلاً فی معانی جميع ما اخذ من لفظ العلم سواء كان ذلك الماخوذ من تصريفات المجرد او المزيد فان علم مثلاً بصيغة الماضی المعلوم معناه انه حصل للفاعل صورة الشیٔ المعلوم فی الزمان الماضی وهذا على الاصطلاح الاول او حصلت له الاضافة بينه وبين ما علمه وهذا على التفسير الثانی وقس على ما مثلناك به باقی الاصطلاحات فاشتمال مفهوم علم الماضی على مفهوم المصدر ونسبته الى الفاعل والزمان يكون مفهومه كلاً ومفهوم المصدر جزءاً ففيه التركيب من ثلثة اجزاء وكون النسبة الى الفاعل والزمان جزئين عامين فی جميع ما اشتق من المصدر المجرد او اشتق من الماخوذ من ذلك المجرد من الافعال ولا يلزم ان يكون كل ما اشتق من ذلك المجرد او ما اخذ منه او اشتق من الماخوذ منه سواء كان فعلاً او غيره كذلك فان من مشتقات العلم العالم والنسبة الى الزمان لا توجد فيه ومن الماخوذ منه الاعلام وكلتا النسبتين لا توجدان فيه لا نسبة الفاعل ولا نسبة الزمان بل فيه مفهوم الاصل المجرد وما اقتضاه خصوص هذا الباب الذی بناك

خود صورت حاصلہ یا دانش ہے یا شی کی صورت کا حاصل کرنا وغیرہ) گو کسی معنی سے اسکو لو۔ وہ ضرور اسکے ماخوذ میں پایا جاویگا وہ ماخوذ ابواب مجردہ سے ہو یا مزیدہ سے مثلاً عَلِمَ (جان لیا اُسنے) ماضی معلوم کے ساتھ اسکا معنے پہلی اصطلاح کے موافق یہ ہے کہ فلانے نے فلانی چیز کی صورت زمانہ گذشتہ میں اپنی عقل میں حاضر کی دوسری اصطلاح کے مطابق فلانے کو اپنے آپکے اور معلوم کے درمیان ایک نسبت (عالمیتہ معلومیتہ) حاصل ہوگئی ہے اسیطرح پر اور ونمیں جاری کرو تاہر ایک میں ہی پائیں گے جو ہم بیان کر آئے ہیں پس جبکہ علم کا لفظ جو صیغہ ماضی معلوم ہے اپنے مصدر اور ماخذ پر بھی شامل ہوا تو اسمیں تین جزؤں سے ترکیب ہوگی ایک مصدر دوم زمانہ سوم فاعل کیطرف نسبت لیکن یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ یہ دو جزو ہیں۔ ایک نسبت دوم زمانہ یہ ہر ایک میں خواہ مصدر مجرد سے لیا گیا ہو یا اُس سے جو اس مجرد سے لیا گیا ہے ماخوذ ہو متحقق ہونگے البتہ یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر ایک ماخوذ میں پایا جاوے نہیں بلکہ فعال میں نہ غیر میں دیکھو علم سے عالم ماخوذ ہو مگر اسمیں فاعل کیطرف نسبت ہے اور نہ زمانہ کی جانب۔ ہاں اتنا تو ہے کہ اسکا ماخذ یعنے علم اسمیں موجود ہے ایسا ہی اِعْلَام (سکھانا) جو اسی علم سے ماخوذ ہے اسمیں نہ تو فاعل کیطرف نسبت ہے اور نہ زمانہ کیجانب۔ ہاں اسکا ماخذ اسمیں موجود ہے

تعدی الان الی ما لم یتعد الیہ فی صورتہ الاصلیۃ لما دنۃ ففیہما الترکیب من جزئین ومن المشتقات من الماخوذ منہ اعلم بصیغۃ الماضی ایضاً مثلاً ففیہ الترکیب من اربعۃ اجزاء اثنان منہما الجزءان اللذان تضمنہما الاعلام من مفہوم المصدر المجرد ومن خصوص مقتضی الباب والآخران ہما النسبتان المذکورتان ففی التوفی لکونہ ماخوذاً من الوفاء احتواء علی معنی الوفاء باعتبار کونہ ماخذاً لہ وعلی الاخذ باعتبار خصوص الباب وفی ما اشتق من التوفی من الصیغ الدالۃ علی الزمان کتوفیت مثلاً احتواء علی اربعۃ اجزاء ومن الصیغ الغیر الدالۃ علی الزمان کصیغۃ المتوفی الطواء علی ثلثۃ اجزاء لعدم شمولہا علی الزمان فاحاطۃ کل صیغۃ من ہذہ الصیغ المشتقۃ علی مفہوم اصل الماخذ سواء کان ترکیب معناہا من تلک الاجزاء ترکیباً حقیقیاً کما ہو المشہور او ترکیباً تحلیلیاً کما ہو الحق

نیز اسمیں باب افعال کا مقتضا جس لئے یہ متعدی ہوا (حالانکہ اسکے ماخذ میں یہ نہیں ہے) پایا جاتا ہے۔ لہذا اسمیں دو جز متحقق ہیں۔ اعلام سے جو علم سے لیا گیا ہے"۔ اعلم بصیغۂ ماضی معلوم مشتق ہے۔ اس لئے اسمیں چار جزئیں ہیں ایک علم جو مصدر ہے"۔ دوم باب افعال کا مقتضا۔ سوم فاعل کیطرف نسبت۔ چہارم زمان۔ جب یہ ثابت ہوا تو پھر ضرور ماننا پڑے گا کہ توفی کے معنے میں وفا داخل ہے کیونکہ وہ وفا سے ماخوذ ہے نیز اقرار کرنا پڑے گا کہ باب تفعل کا مقتضا تو اخذ (بمعنے لے لینا) ہے اسمیں معتبر ہے۔ پس جو الفاظ توفی سے ماخوذ ہیں۔ بشرطیکہ وہ زمانہ پر دلالت کرتے ہیں"۔ چار چیزوں پر شامل ہونگے جیساکہ توفیت (پورا لے لیا میں نے) اور جو زمانہ پر دلالت نہیں کرتے ہیں انکی تین جزئیں ہونگی دیکھو متوفی۔[1] اسلئے کہ اسمیں زمانہ معتبر نہیں ہے مختصر اگر جو صیغہ کسی مصدر سے لیا گیا ہو۔ اس پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ماخذ و مصدر پر شامل ہو۔ گو اس ترکیب کو حقیقی کہیں یا اعتباری۔ ہاں یہ تو ماننا ہی پڑتا ہے۔ کہ اگر اس ترکیب کو تحلیلی کہیں گے حق بھی یہی ہے" تو شمول کا معنی

[1] شاید کوئی کہدے گا کہ اسم فاعل میں تو زمانہ ضروری ہے۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ ضروری اس موقعہ پر ہے کہ جب عامل ہو نہ مطلقاً یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ [illegible] معتبر ہے کیونکہ یہاں پر عامل ہے"۔ اس لئے کہ متوفی کا [illegible] مجرور ہے نہ یہ کہ متوفی کا مفعول ہے ۱۲ منہ عفی عنہ

Marfat.com

الحقیق بالتامل الدقیق احاطة الکل علی الجزء وانکانت هذه الاحاطة علی الاحتمال الثانی الراجح یؤل الی الاحاطة بمعنی صحة انتزاع الجزء التحلیلی من الکل کذالک فاذن المعنی الذی یراد من التوفی او مما اشتق منه فهو علی تقدیر کونه مجردا عن معنی الوفاء لایکون معنی حقیقیا للفظ التوفی او المشتق منه لان التجرید عن بعض اجزاء الموضوع له تجرید عن کله والا یلزم تحقق الکل مع انتفاء الجزء او تحقق ما هو فی حکم الکل مع انتفاء ماهو فی حکم جزئه وذا باطل بالبداهة فاذا لم یکن ذالک المعنی المراد معنی حقیقیا لذالک اللفظ لابد ان یکون معنی مجازیا اذ اللفظ المستعمل فی المعنی لایخلو عن الحقیقة و المجاز ولا یختص ذالک الحکم بارتفاع مفهوم الماخذ فحسب بل یحکم بالمجازیة فی کل صیغة بانتفاء کل جزء ای جزء کان من الاجزاء المعتبرة فی تلک الصیغة سواء کان دخول ذالک الجزء فیها بالوضع التشخصی او بالوضع النوعی بمثل الاول باللبنات فی الجدران

یہی ہوگا کہ اس جزء اعتباری کا اس اعتباری کل سے اعتبار کر لینا جائز ہے۔ پس اگر توفی کا معنے وفا کو چھوڑ کر لیجائیں گے تو یہ حقیقی نہیں ہوگا۔ اسواسطے کہ موضوع لہ کے بعض اجزا کو الگ کر دینے سے کل ہی سے تخلیہ لازم آتا ہی نہیں تو باوجود انتفاء جزء کے کل کا تحقق جائیے (یہ اس صورت میں ہے کہ ترکیب حقیقی ہو) یا لازم آویگا کہ جو حکماً کل ہے وہ حکمی جزء کے بغیر متحقق ہو۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ وہ مجازی معنے ہوگا۔ آخر یہ تو ظاہر ہے کہ لفظ کا استعمال یا حقیقةً یا مجازاً ہوتا ہے۔ لیکن یہ خیال نہ کرنا کہ ماخذ ہی صرف معتبر نہ ہوگا تب ہی مجازی ہوگا نہیں بلکہ کوئی جزء ہو جبکہ اسکا انتفاء مان لیں گے وہ مجازی ہی ہوگا خواہ اس جزء کا دخول وضع شخصی یا وضع نوعی کے ذریعہ سے ہو۔ پہلے[1] کی مثال اینٹ کا دیوار میں داخل ہونا۔

[1] وضع کا معنے یہ ہے کہ ایک لفظ یا شئے کو کسی مفہوم کے واسطے معین کر دینا۔ رہا یہ کہ شخصی کیا ہوا اور نوعی کیا سو واضح ہو کہ شخصی میں وضع اور موضوع لہ دونوں خاص ہوتے ہیں جیسا کہ زید کا لفظ ذات زید کے لئے موضوع ہے اب یہیں وضع اور موضوع لہ بھی خاص ہیں۔ پس یہ وضع شخصی ہوا یا لفظ دیوار کا خاص ایک دیوار کیلئے موضوع ہے یہ بھی شخصی ہوگا اور اینٹ کا دیوار میں داخل ہونا بھی اسی شخصی وضع کے ذریعہ سے ہو کیونکہ وہ دیوار میں جزء کیطرح داخل ہے اور وہ دیوار موضوع لہ بوضع شخصی ہے۔ وضع نوعی وہ ہے جو حضرت مصنف علام مدظلہم نے خود بالتصریح فرمایا ہے غرضکہ جبطرح یہ جناب فرماتے ہیں اسیطرح پر جب وضع ہو تو وہ نوعی کہلاتا ہے ۱۲ مترجم

والثانی یدخول جزء المشتق فی المشتق فان وضع المشتقات وضع نوعی کما یقال کل لفظ علی وزن مفعول فهو یدل علی من وقع علیه الفعل فاذا لم یکن یدل کون المعنی معنی حقیقیا حال کونه مرکبا من تحقق کل جزء من اجزائه ویکفی فی ارتفاعه وتحقق المعنی المجازی انتفاء واحد من تلک الاجزاء لانه کما ینتفی الکل بانتفاء جمیع الاجزاء ینتفی بواحد منها وذلک ظاهر وهذا التحقیق یدل دلالة واضحة بینة علی ان المتوفی هو الآخذ بالوفاء والتمام وذلک معناه الحقیقی لتحقق جمیع ما لابد منه للمعنی الحقیقی بهذا اللفظ من مدلول الوفاء والاخذ ونسبته الی الفاعل ففی قوله تعالی خطابا لعیسی بن مریم علیه السلام یٰعیسیٰ انی متوفیک ورافعک یکون معناه علی الحقیقة ان یاعیسی انی آخذک بالکلیة وبالتمام وکذا المراد فی قوله تعالی حکایة عنه فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم هو الاخذ بالتمام

دوسرے کی مثال مشتق کی جزو کا اسمیں داخل ہونا۔ کیونکہ یہ دخول بوضع نوعی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ہر لفظ جو مفعول کے وزن پر ہو وہ اسپر دلالت کریگا کہ جس پر فعل واقع ہوا ہو۔ لہذا حقیقی معنے جب کہ مرکب ہو وہ تاوقتیکہ اسمیں تمام اجزا متحقق ہولیں حقیقی نہیں کہلائے گا۔ اسکے مرتفع ہوجانے۔ مجازی بننے کے لئے ایک جزو کا بھی انتفا کافی ہے۔ کیونکہ کل کا انتفا جیسے کہ تمام اجزا کے منتفی اور معدوم ہوجانے سے ہوجاتا ہے ویسے ہی اسکا انتفا کسی ایک جزو کے نابود ہوجانے سے ہوتا ہے"۔ اب دیکھو کہ یہ تحقیق سابق واضح طور پر اسپر دلالت کرتی ہے۔ کہ متوفی کا معنے پورے طور پر لینے والا ہے" لا غیر۔ یہی متوفی کا حقیقی معنے ہے کیوں نہ ہو کہ جس کی تحقیق کو ضرورت ہے وہ پا یا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ ایک وفا۔ دوم لے لینا۔ سوم فاعل کیطرف نسبت۔

پس آیت (یٰعیسیٰ انی متوفیک) جس کا مضمون یہ ہے۔ کہ اے عیسے میں تیرا متوفی اور اپنی طرف تیرا اٹھا لیجانے والا ہوں"۔ کہ اے مسیح میں تجھکو پورے طور پر لینے والا ہوں۔ ایساہی آیت فلما توفیتنی الخ سے بھی پورا اور تمام کا لے لینا مراد ہے

لیکن مسیح علیہ السلام پر جو پورا اور تماما مقبوض ہونا

وذا لا یوجد الا فی الرفع الجسدی لانحصار الاخذ بتمامہ فی هذا الرفع دون الرفع الروحی
لانه اخذه ببعضه دون کله فاطلاق التوفی مع کونه محمولا علی الحقیقة علی الرفع
الروحی غیر جائز نعم لو ارید بالتوفی اخذ الشئ مجردا عن معنی الوفاء والتمام بان یکون
عدم الوفاء ماخوذا فیه او بان لا یکون الوفاء معتبرا فیه سواء قارنه او لم یقارنه و
اعتبار عدم الوفاء یغائر عدم اعتبار الوفاء فحینئذ یصح اطلاقه علی الرفع الروحی لکن
علی الاول یکون اطلاقه علیه من قبیل اطلاق الکل علی الجزء وعلی الثانی من قبیل
عموم المجاز والفرق بین اعتبار عدم الشئ وبین عدم اعتبار ذلک الشئ انما هو بالخصوص
والعموم وکل من هذین الاطلاقین اطلاق مجازی لا یصار الیه الا بقرینة صارفة عن ارادة
معناه الحقیقی الاصلی والقرینة غیر موجودة فلا بد من ان یحمل علی الحقیقة دون المجاز
ومن المعلوم ان مدار کون اللفظ حقیقة ومجازا انما هو الوضع مطلقا اعم من ان یکون

صادق ہوگا تب ہی ہو کہ وہ بجسدہ اٹھائے گئے ہوں نہ اگر انکی روح ہی صرف اٹھائی گئی ہو اسلئے کہ خالی
روح کا اٹھایا جانا تو تمام پر قبضہ نہیں بلکہ ایک حصہ پر قبضہ ہوا پھر باینہمہ اگر کہو گے کہ توفی کا اطلاق رفع
روحی پر حقیقی ہے تو یہ ناجائز ہے۔ ہاں اگر یوں کہدیں کہ توفی کا معنے لے لینا ہے مگر اس طرح پر کہ وفا سے
مجرد ہے خواہ یوں کہ وفا کا عدم اسمیں اعتبار کیا گیا یا وفا اسمیں معتبر نہیں پھر وفا اسکو کبھی مقارن ہو۔ یا
کبھی مقارن نہ ہوتا ہو۔ وفا کے عدم کا اعتبار ایک چیز ہے۔ وفا کے اعتبار کا عدم اور چیز ہے ❊ بنا بر اں
توفی کا اطلاق رفع روحی پر صحیح ہوگا۔ مگر پہلی صورت میں کل کا اطلاق جزء پر ہوا۔ دوسری صورت میں
عموم مجاز ہوگا[۱] ❊ رہی یہ بات کہ کسی چیز کے عدم کے اعتبار اور اس چیز کے اعتبار کے عدم میں کیا فرق ہے سو
یہ فرق ہے کہ پہلا خاص دوسرا عام ہے جز جو کچھ ہے سو ہے۔ مگر اسمیں شبہ نہیں کہ دونوں تقدیر پر یہ معنے
مجازی ہے نہ حقیقی لیکن مجازی لے لینا تو تب ہی جائز ہوتا ہے کہ جب کوئی ایسا قرینہ موجود ہو کہ اسکے ہوتے
حقیقی لینا جائز نہو۔ ہاں یہاں اس قسم کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ پھر کہو کہ یہ مجازی لے لینا کیونکر درست ہوگا۔
لہذا حقیقی ہی مراد لینا لازم ہوا نہ مجازی۔ یہ ظاہر ہے کہ حقیقی و مجازی کا مدار وضع ہے۔ خواہ وہ

[۱] عموم مجاز اسکو کہتے ہیں کہ لفظ سے ایک ایسا معنے مراد لیا جاوے کہ وہ حقیقی اور مجازی کو شامل ہو
جیسا کہ حضرت مصنف تقدس مآب مدظلہم نے فرمایا ہے۔ کہ اسکو وفا مقارن ہو یا نہ ہو اب جہاں پر مقارن
ہوگا وہ حقیقی اور جہاں پر مقارن نہیں ہوگا وہ مجازی کہلائیگا۔ تو یہی عموم کا معنے ہے ۱۲ مترجم

الوضع وضعًا شخصیًا او وضعًا نوعیًا فان استعمل اللفظ فی المعنی الموضوع له الشخصی او
النوعی کان حقیقة والا کان مجازًا والمشتقات لترکبها من مادة وهیئة موضوعتین
اولهما بالوضع الشخصی وثانیتهما بالوضع النوعی تکون دالاتها علی معنی اصل المبدأ
بمادتها بالوضع الشخصی وعلی مفهومها الترکیبی بوضعها النوعی ولکونها مرکبة بهذه
الصفة لابد لکونها حقیقة من تحقق کلا الوضعین ولا یکفیها فی کونها حقیقة تحقق
احدهما فقط بخلاف مجازیتها فانها تتصور بانحاء ثلثة بانتفاء الوضع الشخصی فقط کمجازیة
الناطق فی معنی الدال بصرف لفظ النطق الموضوع بالوضع الشخصی عن معناه الحقیقی الی معنی
الدلالة وبانتفاء الوضع النوعی فقط کاطلاق لفظ القائلة علی المقولة مع بقاء اصل المعنی المصدری
وبانتفاء کلیهما کما لو اطلق الناطق واریدبه المدلول فلفظ مُتَوَفِّیْكَ اولفظ تَوَفَّیْتَنِیْ

نوعی ہوگا۔ یا شخصی۔ بہرحال لفظ کو جب ان دونوں میں کسی وضعی معنے میں استعمال کریں گے۔ تو وہ
حقیقی استعمال ہوگا۔ ورنہ مجازًا ہوگا۔ پس مشتقات جو ایسے مادہ اور ہیئت ترکیبی سے کہ انمیں سے پہلا بوضع
شخصی موضوع ہے۔ دوسرا بوضع نوعی" مرکب ہیں۔ بسبب اس ترکیب کے مبدء پر باعتبار مادہ بوضع شخصی اور
معنی ترکیبی پر بوضع نوعی" دال ہیں[1] نیز جب اسطرز پر ہونگے تو استعمال حقیقی اسیصورت میں ہوگا۔ کہ دونوں
وضع متحقق ہوں نہ صرف ایک ہی متحقق ہو تو پھر بھی حقیقی ہی ہوگا۔ البتہ مجاز تین صورتوں میں پایا
جاسکتا ہے۔ ایک جبکہ وضع شخصی نہ ہے۔ دیکھو ناطق اسکے مبدٔ کا موضوع لہ دراصل بوضع شخصی ادراک
کلیات وجزئیات ہو جب اسی دال مراد لینگے تو یہ استعمال مجازی ہوگا۔ ایسا ہی جب وضع نوعی کو اٹھا
دیویں۔ دیکھو قائلہ جب کہ اس سے مقولہ مقصود ہو" گو اسمیں قول جو اسکا مصدر ہے اپنے اصل معنے پر
دال ہے۔ مگر باعتبار اسکے کہ اسمیں وضع نوعی منتفی ہوا ہے مجازی ہوگا۔ اگر دونوں کو اٹھا دیویں نیز مجازی
ہوگا۔ دیکھو ناطق سے جسحالت میں مدلول مراد رکھ لینگے۔ کیونکہ ناطق "مدلول" کے لئے نہ تو بوضع نوعی اور نہ
نہ بوضع شخصی موضوع ہے اسلئے مستفسر کہ لفظ متوفیک توفیتنی

[1] دیکھو متوفی مشتق ہو اسکا اصل ماخذ وفا ہے اور یہ لفظ تو اپنے معنے پر بوضع شخصی دال ہے۔ رہی ہیئت جو حروف
کے اسمیں ملجانے سے پیدا ہوگی ہو وہ اپنے معنی مرکب پر بوضع نوعی دال ہے جیسا کہ کیس ہر لفظ جو متفعل کے وزن پر ہو
وہ تین چیزوں کے مجموعہ پر دال ہوگا ایک ماخذ دوم باب کا تقاضا سوم نسبت الفاعل۔ ظاہر ہے کہ متوفی کا یہی مجموعہ ہے متفعل

ان حمل علی معنی الاخذ بالتمام الذی لا یکون الا برفع الروح والجسد یکون حقیقة لتحقق مدار الحقیقة من کلا الوضعین وان حمل علی معنی لم یندرج فیه معنی الاخذ بالتمام سواء جرد عنه بان یکون عدم قیدا للاخذ وبان یرسل الاخذ ولم یعتبر معه قید التمام وجد فیه التمام اولم یوجد یکون مجازا لصرفه عن معناه الموضوع له بالوضع التشخصی ومن المقررات والمسلمات ان المصیر الی المجاز بلا قرینة صارفة غیر جائز فتعین المصیر الی الحمل علی الحقیقة ودعوی تبادر التوفی فی معنی الاماتة وجعل التبادر قرینة لکونه حقیقة فی الاماتة غیر مسلم لانه لو ارید بتبادره فی هذا المعنی التبادر مع عدم القرینة فذلک اول النزاع ولم یوجد فی القران فی موضع من موارد هذا اللفظ استعماله فی هذا المعنی بغیر قرینة وان ارید به التبادر مع القرینة فذلک مسلم ولکن علامة الحقیقة هی تبادره مع العراء عن القرینة لا مع انضمامها والا یکون کل مجاز مستعمل حقیقة فلم یصح

اگر کسی معنی پر محمول کریں گے۔ کونسا معنے انسے مراد لیں گے۔ اگر پوری طور پر لے لینا مراد ہے تو یہ روح وجسد دونوں کے اٹھائے جانے کے بغیر نہیں ہو سکتا لیکن یہ استعمال حقیقی ہوگا۔ کیونکہ حقیقت کا مدار وضع شخصی اور نوعی پر ہے سو وہ پایا گیا ہے۔ اگر ہمیں اخذ کو مراد رکھینگے اور تمامیت کی قید مجرد سمجھینگے خواہ یوں کہ اخذ کے لئے تمامیت کا عدم قید ہے یا مہمل طور پر لینگے یعنے اسکے ساتھ تمامیت کی قید لگی ہو یا نہ تو ان صورتوں میں یہ استعمال مجازی ہوگا۔ اسلئے ان تقدیروں پر لفظ کا موضوع لہ بوضع شخصی سے ہٹانا متحقق ہوگا لیکن یہ بات مسلمات سے ہے کہ حقیقی معنے کو قرینہ صارفہ کے بغیر چھوڑ کر مجازی کو اختیار کرنا ناجائز ہے۔ اور قرینہ یہاں پر موجود نہیں ہے۔ پس لامحالہ حقیقی معنے ہی لینا پڑے گا۔ ہاں یہ جو تم کہتے ہو متوفی سے مارنا ہی سریع الفہم ہے۔ سریع الفہم ہونا ہی قرینہ ہے۔" نیز مسلم نہیں ہے اس لئے کہ یا تو کہو گے کہ توفی سے بلا قرینہ مارنا مرنا متبادر ہے سو یہ تو پہلا ہی جھگڑا ہے۔ قرآن شریف میں تو کہیں بھی "توفی" اور "متوفی" کا لفظ مرنے مارنے میں بلا قرینہ مستعمل نہیں ہوا ہے۔ یا کہو گے کہ نہیں توفی اور متوفی سے مرنا۔ مارنا بوجہ قرینہ متبادر ہے۔ البتہ یہ مانا۔ لیکن حقیقی کی نشانی تو یہ ہے۔ کہ وہ بلا قرینہ ہی متبادر ہو نہ بوجہ قرینہ ورنہ سب مجازات حقیقی ہی بنجائینگے۔ لہذا لفظ کی تقسیم حقیقت ومجاز کی طرف صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ

تقسیم اللفظ الی الحقیقۃ والمجاز لعدم امکان وجود المجاز علی ھذا التقدیر وانما ادعلینا ان لفظ التوفی حیث وقع فی القرآن بمعنی الاماتۃ فانما وقع مع القرینۃ لا بدونها فان حمل التوفی علی الموت فی قولہ تعالیٰ ثم یتوفھن الموت بقرینۃ اسنادہ الی الموت وفی قولہ عزوجل قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم وفی ان الذین توفھم الملئکۃ ظالمی انفسھم وفی تتوفھم الملائکۃ ظالمی انفسھم وفی تتوفھم الملئکۃ طیبین وفی توفتہ رسلنا وفی رسلنا یتوفونھم وفی یتوفی الذین کفروا والملئکۃ وفی قولہ تعالیٰ فکیف اذا توفتھم الملئکۃ یضربون وجوھھم اسنادہ الی الملک الموکل فی الاول وفی الباقیۃ من اقوالہ الشریفۃ اسنادہ الی الملئکۃ القابضۃ للارواح قرینۃ صارفۃ وفی قولہ تعالیٰ وتوفنا مع الابرار سوال المعیۃ بالابرار وفی قولہ عزوجل توفنا مسلمین سوال حسن الخاتمۃ قرینۃ

بنا برایں مذہب کے تو مجاز ممکن بھی نہیں ہے۔ بیشک ہمارا دعویٰ کہ قرآن شریف میں کہیں بھی توفی کا لفظ بلا قرینہ موت میں مستعمل نہیں کیا گیا ہے۔ ثبوت طلب ہے لیکن ثبوت تو موجود ہے۔ دیکھو یہ آیت۔ (یتوفھن الموت) یعنے وہ مرتے ہیں لیکن یہاں موت کا قرینہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ توفی کو موت کی طرف اسناد کیگئی ہے۔ نیز اور بھی بہت سے آیتیں ہیں کہ جنمیں توفّی سے موت ہی مراد ہے۔ مگر ہر ایک میں موت کا قرینہ موجود ہے (دیکھو یتوفکم الموت۔ ان الذین توفھم الملائکۃ تتوفھم الملائکۃ۔ یتوفھم الملائکۃ طیبین۔ توفتہ رسلنا۔ رسلنا یتوفونھم۔ یتوفی الذین کفروا الملائکۃ۔ فکیف اذا توفتھم الملائکۃ۔ یعنی تمکو ملک الموت موت کا مزہ چکھاویگا۔ وہ لوگ کہ ملائکہ لیوینے انکو موت کا مزہ چکھایا۔ موت کا ذائقہ انکو ملائکہ لموت چکھاتے ہیں انکو ملائکہ لموت پاکیزگی کیحالت میں موت کا مزہ چکھائینگے۔ ہمارے فرستادے انکو مارا۔ ہمارے فرستادے یعنی ملک الموت انکو مارینگے کافروں کو ملائکہ لموت ماریں گے۔ کیا ہوگا جس وقت کہ انکو ملائکہ لموت مارینگے۔ اب دیکھو ان سب آیتوں میں بلا قرینہ توفی سے موت نہیں لیگئی۔ دیکھئے قرائن۔ پہلی آیت میں ملک الموت کیطرف توفی سند ہے اور یہی قرینہ ہے اور باقیوں میں قابض ارواح فرشتوں کیطرف توفی کو اسناد ہے۔ اور یہی قرینہ موت ہے۔ ایسا ہی اس آیت میں (وتوفنا مع الابرار) جسکا معنے یہ ہے کہ ہمکو مار کر نیکوں کے زمرہ میں داخل کر۔ اسمیں ابرار کو ساتھ ملی التجا قرینہ موت ہے۔ آیت (توفنا مسلمین) کہ اے خداوند تعالےٰ ہمکو اسلام پر مارنا۔ میں حسن خاتمہ کا سوال قرینہ موت ہے۔

آیت

كذلك وفي وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ قرينة التقابل
انما يعتبر في احد المتقابلين يعتبر عدمًا في المتقابل الآخر كما اعتبر الانتقال التدريجي في
الحركة وجودًا وعدمًا في ضدها اعني السكون ولا ريب ان الحيوٰة معتبرة في نرينّك لدلالة
بدليل حيوٰة الرائي غير منصور فيعتبر عدمها في مقابله وهو نتوفينّك وفي قوله تعالى
والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجًا يتربّصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرًا قرينتان
احدهما ويذرون ازواجًا والاخرى يتربّصن وكذا في قوله تعالى والذين يتوفون منكم
ويذرون ازواجًا وصية لازواجهم الاية قرينتان اولهما هي اولهما في الاية السابقة وثانيتهما
لزوم الوصية وكذا التقابل في ومنكم من يتوفى وقيد حين موتها في قوله تعالى اَللّٰهُ يَتَوَفَّى
الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها قرينة على المعنى المجازي وفي هذه الاية الاماتة و

(فاما نرينك بعض الذی نعدہم او نتوفینک فالینا یرجعون) یعنے یا رسول اکرم یا تو ہم آپکو وہ بعض امور کہ جنکا ہم کافروں کو وعدہ دیتے ہیں دکہا دینگے یا موت کا ذائقہ آپکو چکہائیں گے پہر ہماری طرف لوٹینگے۔ اسمیں مقابلہ قرینہ ہے کیونکہ اگر ایک میں متقابلین میں سے کسی چیز کا وجود معتبر ہو۔ تو دوسرے میں اس چیز کا عدم معتبر ہوتا ہے۔ کیا جانتے نہیں کہ حرکت میں جو سکون کی ضد ہے۔ بتدریج منتقل ہونا معتبر ہے اور اسکے ضد میں یعنی سکون میں اس انتقال کا عدم معتبر ہے۔ پس چونکہ آیت مذکورہ میں دکہانے (ارائت) کا مقابل نتوفینک (ہم تجہکو ماریں گے) مقرر کیا گیا ہے یا ارائت میں زندگی کا وجود معتبر ہے۔ تو بالضرور اسکے مقابل یعنے نتوفینک میں اس زندگی کا عدم معتبر ہو اور نہ تقابل کیسا ہوگا۔ یہی قرینہ موت ہے اسیطرح جو آیات ذیل میں قرائن موجود ہیں (دیکہو والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا وصیۃ لازواجہم۔ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا یتربصن بانفسہن اربعۃ اشہر وعشرًا) یعنے جو لوگ تم میں سے بیبیاں چہوڑ مریں۔ تو وہ بیبیاں چار مہینہ اور دس دن عدۃ الموت کاٹیں۔ جو لوگ تم میں سے بیبیاں چہوڑ مریں تو انپر ازواج کے لئے وصیت کرنا لازم ہے"۔ اب دیکہئے دوسری میں موت کے دو قرینہ ہیں ایک بیبیوں کو چہوڑ مرنا۔ دوم عدت الموت کا کاٹنا۔ پہلی میں بہی دو قرینہ ہیں ایک بیبیونکو چہوڑ مرنا دوسرا وصیت کا لازم ہونا۔ آیت (ومنکم من یتوفی) میں بہی تقابل قرینہ ہے۔ رہی آیت (اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا) یعنے خداوند تعالی ارواحکو موت کے وقت میں لے لیتا ہے"۔ ملخصًا اسمیں حین موتہا قرینہ ہے"۔ یاد رکہو کہ اس آیت میں مارنا۔ سولانا۔ دونوں مراد ہیں

والاماتة كلتاهما مرادتان لا بطريق الجمع بين الحقيقة والمجاز لما ذكر من امتناعه في الاصول ولانه ليس شئ من الاماتة والانامة معنى حقيقيا للفظ التوفي حتى يلزم ذالك من اجتماعه مع الاخر ولا بطريق عموم المجاز كما في قول القائل لا يضع قدمه في دار فلان فانه يحنث سواء دخل من غير وضع القدم كما اذا دخل راكبا او مع الوضع كما اذا دخل ماشيا حافيا وسواء دخل في الدار المملوكة لفلان او الدار المستعارة او المستاجرة لفلان ولا يختص هذا القول بمعناه الحقيقي حتى ينحصر حنثه في الدخول حافيا وفي الدخول في الدار المملوكة لفلان ولا بالمعنى المجازي حتى ينحصر حنثه في الدخول في غير الدار المملوكة لفلان وفي الدخول غير حاف بل يعم بالدخول مطلقا في دار فلان بان كانت مسكونة له سواء كانت تلك السكونة بالملك او بالعارية او الاجارة وليس ذالك الا على سبيل ارادة معنى اعم يشتمل على المعنى الحقيقي والمجازي كليهما وهذا هو عموم المجاز وارادة كليهما

مگر نہ اسطرح پر کہ اس سے حقیقی و مجازی دونوں اکٹھے مراد لئے جاویں کیونکہ حقیقت و مجاز کا اجتماع نا جائز ہے۔ دیکھو کتب اصول وغیرہ۔ دوم اسلئے بھی یہاں جمع نہیں ہے کہ مارنا یا سولانا اسمیں سے کوئی ایک بھی توفی کا حقیقی معنے نہیں ہے اسواسطے یہ جمع لازم نہیں آتا اور نہ توفی سے مارنا اور سولانا عموم مجاز کے طور پر مراد ہے جیسا کہ کوئی شخص قسم کھاوے کہ میں فلاں مکان میں اپنا قدم نہیں دہرونگا۔ اب یہ شخص گھوڑے پر چڑھکر اسمیں داخل ہو۔ یا اسطرح جیسا کہ کہا تھا۔ یا وہ مکان اسی کا ملک ہو۔ یا کرایہ یا عاریۃ کے طور پر ہو۔ بہرحال حانث ہوگا۔ یہ قول حقیقی معنے کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا ہے۔

پس اس کا حانث ہونا اسی پر موقوف نہیں ہوگا۔ کہ وہ گھر فلاں کا مملوک ہو اور ننگے پاؤں ہی داخل ہو بلکہ بہرحال حانث ہوگا۔ ایساہی اس کا قول مجازی معنے سے خصوصیت نہیں رکھتا ہے تا کہ کہا جا تا کہ وہ جب فلانے کے غیر مملوک مکان میں۔ یا جوتا پہنکے یا سواری پر ہی چڑھکر داخل ہوگا۔ تو حانث ہوگا۔ نہیں تو نہیں بلکہ بہرحال حانث ہوگا خواہ حقیقی معنے پایا جاوے یا مجازی۔ چنانچہ گذرا۔ آیت مذکورہ میں توفے سے سولانا۔ مارنا جبکہ بطریق عموم مجاز بھی نہیں۔ تو لامحالہ

لا بهذا الطريق لعدم اعتبار معنى عام يشتمل على المعنى الحقيقي من الاخذ بالكلية والاخذ بالبعضية فاذن كونهما مرادتين ليس الا من حيث ارادة الاخذ بالبعضية بان يراد بالتوفي سلب تعلق الروح بالبدن تعلقا يوجب الادراك الاحساسي او تعلقا يوجب الحيوة فان كان الاول مسلوبا بدون الثاني فهذا هو الانامة وان كان الثاني ومن لوازمه كونه متضمنا لسلب الاول فهذا هو الاماتة ودوران ذلك التعلق بين الاحساس وبين الحيوة ليس كدوران الشئ بين النقيضين بل كدورانه بين امرين يكون احدهما اخص والاخر اعم ولذا امتنع وجود التعلق الاول بدون الثاني ويقال وجوبا كل حساس حي بدون عكس كلي فلا تنافي في اجتماع الاحساس والحيوة في الحيوان بل في ارتفاعهما عنه وتضمن رفع التعلق الثاني لرفع التعلق الاول لا يقتضي نفي سماع الاموات اذ سماعهم الذي نحن مثبتوه هو بمعنى ادراك ارواحهم وذلك ثابت بالادلة القطعية لا مجال لاحد في انكاره وهذا لا يرتفع في ضمن ارتفاع الحيوة وما يرتفع في ضمن

اس سے کہہ بے لینا مراد ہوگا۔ مثلاً جب توفی سے سولانا مقصود ہو تو اسصورت میں کہینگے کہ روح کے تعلق سے جو بدن حساس تہا وہ تعلق مسلوب کیا گیا تو بلاشبہ یہی سولانا ہے اور اگر توفی سے مارنا مراد ہو چنانچہ ایسا ہی ہے تو یوں کہینگے کہ روح کے تعلق سے جو بدن زندہ تہا وہ تعلق سلب کیا گیا ہے۔ یہ صورت میں بلاشک اسکو مارنا کہا جائیگا۔ ہاں دوسرے میں حس کا سلب بھی معتبر ہے جیسا کہ زندگی کا کہ مگر لیکن یہ خیال رکھنا کہ یہ تعلق حس اور زندگی کے درمیان بطور تردید دائر ہے جسطرح کہ کوئی امر خاص و عام کے درمیان مردد ہوتا ہے یہ نہ سمجھنا کہ یہ تردد اسطرز پر ہے کہ جسطرح شے نقیضین کے درمیان مردد ہے اسیطرح وہ تعلق جس سے احساس کا وجود ہوتا ہے دوسرے تعلق کے بغیر (یعنے وہ تعلق کہ جس سے زندگی ہوتی ہے) موجود نہیں ہوتا پس یوں کہنا کہ ہر حساس زندہ ہے" صادق ہے اور یہ کہنا کہ ہر زندہ حساس ہے غلط ہے کیونکہ بعض زندہ (جیسے سوئے ہوئے) حساس نہیں ہیں سوال کی تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ مردہ میں حس باقی نہیں رہتا ہے اسلئے لازم آیا کہ وہ سنتے بھی نہوں الجواب[1] ہماری تقریر سے مردوں کا نہ سننا ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ انکا سننا یعنے ادراک روحانی ہے چنانچہ ادلہ قاطعہ شرعیہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس قسم کا سماع مرنے سے مرتفع نہیں ہوتا ہے البتہ مرنیکے ضمن میں

[1] بعض لوگ حنفیوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت صاحب فتح القدیر وغیرہ محققین حنفیہ میں سے فرماتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے ہیں تو اے حنفیو تم کیوں سماع موتے کے قائل ہو حضرت مصنف فضیلت آب نے اسکو بھی رد کیا کہ صاحب فتح وغیرہ مطلقاً سماع موتے کے منکر نہیں ہیں بلکہ قوت جسمانیہ سے سننے کے منکر ہیں نہ کہ ادراک روحانی سے بھی انکاری ہیں ۱۲ مترجم

Marfat.com

ارتفاعہما وھو السّماع العادی الذی لا یمکن الا بقوۃ جسمانیۃ عصبانیۃ ولا یقول احد
بتحققہ مع انتفاء الحیٰوۃ فالسّماع الثابت بالادلۃ الشرعیۃ والعقلیۃ غیر مرتفع وما ھو مرتفع
غیر ثابت وبھٰذا یظہران التقابل الذی بین الموت والحیٰوۃ ھو التقابل بالتضاد لکونہما
وجودیین فان کون الحیٰوۃ امرًا وجودیًا ظاھر واما الموت فلا نہ اثر للاماتۃ والاماتۃ
لما کانت عبارۃ عن قطع تعلق الروح بالبدن وایقاع الفصل بینہما وتخریب البدن کان
الموت الذی ھو مطاوعہا عبارۃ عن انقطاع ذٰلک التعلق والانفصال والتخریب کل
ذٰلک وجودی ویدل علی کونہ وجودیًا قولہ تعالٰی خلق الموت والحیٰوۃ لان الموت لو کان
عدمیًا لما تعلق بہ الخلق اذ لا یقال للعدمی انہ مخلوق فان الخلق ھو الجعل والایجاد
عدمیۃ عدم الحیٰوۃ عدمًا ثابتًا اللازم للموت لا تصیر الموت عدمیًا لظہور عدم استلزام
عدمیۃ اللازم عدمیۃ الملزوم الا تری الی الفلک فانہ ملزوم لعدم السکون عند الفلاسفۃ

وہ سماع جو قوت جسمانیہ کے ذریعہ سے ہے مرتفع ہو جاتا ہے لیکن اسطرز کا کہ مردہ بقوۃ جسمانی سنتا ہے
کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ لہذا جو مرتفع ہے وہ ثابت نہیں جو ثابت ہے وہ ناپیدا نہیں۔ اسی تقریر سے
یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ موت وحیٰوۃ کے درمیان ضدیت کے طور پر مقابلہ ہے اسلئے کہ یہ دونوں وجودی ہیں
حیٰوۃ کا وجودی ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ رہی موت سو وہ بھی وجودی ہے دلیل یہ ہے کہ مارنا اسکو کہتے
ہیں کہ بدن سے روح کا تعلق جس سے بدنکی زندگی ہوتی ہے" اوٹھا دیا جاوے۔ اسکا اثر لازم مرنا ہے
چونکہ مرنا اس تعلق کا منقطع ہونا ہے۔ تو یہ بلاشبہ وجودی ہے نیز اسکے وجودی ہونے پر یہ دلیل ہے
کہ باریتعالی ارشاد فرماتا ہے کہ ہمنے موت کو پیدا کیا ہے" یہ صریح طور پر دلالت کرتی ہے کہ یہ وجودی ہے
اسلئے کہ موت اگر عدمی ہوتی تو خداوند تعالے کا فعل اسکے ساتھ کیونکر متعلق ہوتا۔ کیا کبھی کہا جاتا ہے
کہ فلاں امر عدمی پیدا کیا گیا ہے نہیں کیونکہ پیدا کرنے کا معنے موجود کر دینا ہے۔ سوال
کیوں جائز نہیں کہ باعتبار لازم کے عدمی ہو کیا دیکھتے نہیں کہ عدم الحیٰوۃ اسکو لازم ہے اسکا
عدمی ہونا موت کے عدمی ہونے کو مستلزم ہے۔ **جواب** کہ یہ استلزام غلط ہے دیکھو عدم السکون
آسمان کو عند الفلاسفہ لازم ہے۔ آسمان معدوم نہیں ہے۔ علی ہذا القیاس
اور بھی بہت مواقع ہیں کہ لازم کی عدمیت ملزوم کی

Marfat.com

ولا يلزم يكون لازمه هذا عدميا كون الفلك عدميا ونظائره اكثر من ان تحصر وهذا ما قلنا من ان التوفي ليس حقيقة في الاماتة لان الاماتة لا يوجد فيها الاخذ بالتمام بل الاخذ في الجملة بخلع صورة نوعية عن الجسم الحيواني ولبس اخرى منهما و ينفصل الروح عن البدن فباعتبار وجوب حمل اللفظ على الحقيقة يكون قوله عز وجل يٰعيسٰى اني متوفيك دليلا لنا لا له ويؤيده العطف بقوله ورافعك الي اذ المراد به الرفع الجسماني والا فما وجه تخصيصه بعيسى عليه السلام لعموم الرفع الروحاني لكل مومن وحمله على هٰذا الرفع العام مستدلا بقوله عز وجل يرفع الله الذين امنوا منكم والذين اوتوا العلم درجات غير صحيح لان المذكور في تلك الاية هو رفع المسيح نفسه وفي هٰذه الاية رفع الدرجات ولا يخفى الفرق بين رفع الشئ نفسه وبين رفع درجاته كما هو بين في قولك رفعت زيدا وبين رفعت زيدا ثوبه او بيته او شيئا اخر مما يتعلق به ومع ثبوت التغائر

عدمیت کو نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ میں جو توفّی ہے وہ مارنے میں حقیقی طور پر مستعمل نہیں ہے اسلئے کہ ماردینے میں پوری طور پر لے لینا نہیں پایا جاتا ہے بلکہ ماردینے میں صرف بدن سے روح الگ کرکے اٹھائی جاتی ہے اور یہ گویا ایک حصّہ کا لے لینا ہے نہ پوری شئے کا لے لینا لیکن لفظ کا بصورتِ عدم قرینہ حقیقی معنے پر محمول کرنا جبکہ واجب ہوا تو آیت (یا عیسےٰ انی متوفیک الخ) ہمارے لئے دلیل ہوئی نہ کہ بانیوں کے لئے۔ اسکا ہمارے لئے دلیل ہونے کو رافعک الیّ کا اسپر معطوف ہونا قوّت بخشتا ہے۔ اسواسطے کہ اس رفع سے رفع جسمانی مراد ہے ورنہ خاصکر مسیح علیہ السّلام سے کیا اس رفع روحی کو خصوصیّت تھی جو اس آیت میں انکی روح کا مرفوع ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ سوال چونکہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ خدا ایمان داروں۔ اہل علم کے درجات کو (مرفوع) بلند کرتا ہے تو اس سے سمجھا جاتا ہے۔ کہ خود ایماندار اور اہل علم مرفوع نہیں ہوتے ہیں بلکہ انکی درجات مرفوع اور بلند کئے جاتے ہیں۔ پس رفع مسیح سے بھی خود مسیح کا رفع مراد نہیں ہے بلکہ رفع روحی الجواب دلیل مفید مطلب نہیں ہے۔ کیونکہ آیت سابقہ میں خود مسیح علیہ السلام کا رفع مذکور ہے اور اس آیت میں رفع درجات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رفع درجات اور خود شئی کے مرفوع ہونے میں مغائرت ہے اسلئے رفع درجات سے رفع نفس جسمانی ثابت نہیں ہوگا۔ دیکھو کہا جاتا ہے کہ مینے زید کو اٹھا لیا ہے یا مینے زید کا کپڑا۔ یا اور کچھ جسے زید کے ساتھ تعلّق ہو۔ اٹھا لیا ہے۔ اب اس صورت میں

Marfat.com

بين الرفعين لا بتم التقريب فعلى هذا يقال ان من نودى وخوطب بالضمائر هو عيسى عليه السلام فيكون المنادى والمتوفى والمرفوع والمطهر من الكفرة وفائق الاتباع اياه عليه السلام فيتركب القياس من الشكل الاول من ان عيسى هو المصداق للمتوفى المفهوم من الاية والمصداق له هو المصداق لصيغة من وقع عليه فعل الرفع فينتج ان عيسى هو المصداق للمرفوع وهذا عين ما ادعيناه من ان المرفوع هو شخصه لا روحه فقط وايضا لو كان روح عيسى مرفوعا دون جسده الاطهر لوقع جسده فى ايدى الكفرة وليحصل مرادهم ولا هانوه فلم يصح قوله تعالى ومطهرك من الذين كفروا فان الاماتة ليس تخليصا وتطهيرا من الاعداء بل تحصيلا لمرادهم وايضا لا لهم الى مناهم وغاية متمناهم فهل يصلح لمن له فهم مستقيم وعقل سليم ان يفهم من الرفع فى هذه الاية الرفع الروحانى وهل لا يعد ذلك المستنبط من ارباب الجهالة ولعمرى ان هذا الشئ عجيب يتعجب منه كل لبيب واستدل ايضا بقوله تعالى

زید کے کپڑے کے اٹھائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں پر بھی خود زید کا رفع مراد ہو بلکہ کپڑے کا مثلاً اسلئے کہ خود شئے کا رفع اور ہے۔ اسکے متعلق کا اور ہے۔ بنا ءً علیہ ثابت ہوا کہ آیت (یا عیسےٰ انی متوفیک الخ) میں منادا اور ضمائر کا مرجع خود مسیح علیہ السلام ہے نہ خالی روح جب خود مسیح ؑ ہی منادا اور مرجع ہوئے تو متوفی۔ مرفوع۔ مطہر۔ فائق الاتباع بھی آپ ہی ٹھہرئیے نہ صرف روح۔ اب ہم اس سے پہلی شکل بنائیں گے "مسیح علیہ السلام پر بھی متوفی کا مفہوم صادق آتا ہے جس پر یہ صادق ہے اسی پر ہی مرفوع کا مفہوم بھی صادق ہے نتیجہ: مسیح علیہ السلام ہی پر مرفوع کا مفہوم صادق ہے" اور یہ بعینہ وہی ہے جو ہم دعویٰ کرتے ہیں۔

دوسری دلیل اگر مسیح علیہ السلام کی صرف روح ہی مرفوع ہوئی ہوتی تو آپ کافروں کے ہاتھوں سے کیسے بری اور مطہر ٹھہرتے۔ بلکہ جسد لطیف تو کافروں کے ہی اختیار میں رہتا اور کافروں کا مقصود یہی تھا حالانکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے مسیح ہم تجھکو کافروں کے اختیار سے الگ اور پاک کر دینگے" پس اگر خالی روح مرفوع ہوئی ہو تو باریتعالےٰ کا یہ ارشاد کیسا درست ہوگا لہذا رفع روحی غلط ٹھہرا اور مسیح علیہ السلام کا بجسدہ مرفوع ہونا ثابت ہوا کیونکہ جب بجسدہ رفع مراد لیں گے تو مسیح علیہ السلام بلاشبہ بالکل کافروں کے اختیار سے نکل کر اور پاک ہوگئے"۔ اسلئے آیت مذکورہ سے رفع روحی مراد رکھ لینا بے علمی اور عجیب تر ہے۔

کادیانی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے۔ کہ وہ بیان کرتے ہیں

Marfat.com

وقولهم انا قتلنا المسيح بن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم
وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه مالهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقيناً بل رفعه الله
اليه وكان الله عزيزاً حكيما۔ وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة
يكون عليهم شهيداً۔ حيث حمل الرفع على الرفع الروحاني وقال برجوع الضمير المجرور
المتصل بالباء فى قوله تعالى ليؤمنن به الى كونهم شاكين غير متيقنين بكون عيسى مقتولاً
... او ... وبرجوع الضمير المتصل بقوله موته الى الكتابي ثم وجهه بتوجيهين آخرين وحكم
عليهما بالصحة والصواب الاول ان لفظ الايمان مقدر فى قوله تعالى قبل موته اى
... الايمان بموته فيكون معنى الاية ان كل كتابي يؤمن بان قتل عيسى مشكوك فيه
... يؤمن بموته الطبعي الذي وقع فى الزمان الماضي والتوجيه الثاني ان كل كتابي كان يؤمن
... قطعاً بانهم شاكون فى قتل عيسى وليس قتله الا على سبيل الشك والظن وذلك اى

... ہیں ... مسیح مریمؑ کے فرزند کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے نہ تو انکو قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ ہاں
... شبہ میں ڈالے گئے ہیں۔ جن لوگوں نے اختلاف کیا وہ البتہ انکے قتل کے بارہ میں شک میں پڑے
ہوئے ہیں انکو اس پر یقین حاصل نہیں ہے صرف خلاف واقع کی تابعداری کرتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام کو انہوں
نے قتل نہیں کیا بلکہ خداوند تعالےٰ نے انکو اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے نہیں ہے
کوئی بھی اہل کتاب میں سے مگر کہ اسپر ایمان لاوے گا۔ اسکے مرنے سے پہلے۔ وہ قیامت کے دن انپر گواہ ہوگا
... بقیہ استدلال کادیانی پہلی آیت میں رفع روحی مراد رکھتا ہے۔ اسکا بیان ہے کہ اہل کتاب مسیح علیہ السلام کے مقتول
... ہونے میں شاک ہونا ہی ضمیر بہ کا مرجع ہے۔ موتہ کی ضمیر اہل کتاب کیطرف راجع ہے اسکے بعد دو توجیہیں کرتا
... قبل موتہ میں ایمان کا لفظ مقدر ہے۔ اس تقدیر پر آیت کا معنے یہ ہوا کہ ہر ایک کتابی مسیحؑ کی طبعی موت پر جو
... ہو چکی ہے۔ ایمان لانے سے پہلے آپکے مشکوک القتل ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔ دوسری توجیہ کہ
... یقینا جانتا ہے کہ ہم مسیحؑ کے مقتول ہونے کے بارہ میں شک میں ہیں۔ اس شک پر انکا ایمان مسیحؑ کی
... السلام کے مرنے سے پہلے تھا۔ گویا مسیحؑ ابھی زندہ ہی تھے کہ انکو آپکے مقتول ہونے میں شک تھا اور وہ آپکے مرنے سے

... کادیانی صاحب کہتے ہیں کہ ہو الله الذی یتوفکم میں بھی توفی سے مراد موت ہی ہے۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں
بھی قرینہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ یہاں توبیخ مقصود ہے اسیواسطے ہو الذی یرزقکم یا یحییکم وانشاکم نہیں فرمایا گیا۔ اور یہ
قرینہ موت ہے ۱۲ مترجم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۵ کادیانی صاحب پر عجیب ہے کہ اور کوئی اگر مقدر کا نام لے تو اسکو محرف کہتے ہیں۔

ايمانهم بكونهم شاكين كان قبل ان مات عليه السلام والحاصل انهم والحال ان عيسى حي اي قبل ان مات كانوا شاكين في قتله ولم يكن حصل لهم قطع لقتله بل كانوا قبل ان مات يوقنون بمشكوكية قتله وفي هذا الاستدلال انظار شتى اما النظر الاول على التوجيه الاول فلان حمل الرفع في الآية على الرفع الروحاني غير صحيح اذ الكلام وقع بطريق قصر الموصوف على الصفة على نحو قصر القلب وهذا مشروط بتنافي الوصفين كما اذا خاطب المتكلم رجلا بعكس ما يعتقد مثل مَا قام زيد بل قعد لمن يظن بقيامه وظاهر ان القيام والقعود متنافيان واشتراط التنافي اعم من ان يكون شرطا لحسنه او لاصله ومن ان يكون التنافي متنافيا في نفس الامر او في اعتقاد المخاطب على حسب تعدد الآراء وانما كان قوله تعالى وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللهُ اِلَيْهِ على نحو قصر القلب لانهم كانوا يدعون ان عيسى مقتول فخاطبهم الله تعالى بعكس ما زعموا من انه مرفوع لا مقتول كما زعمتم فيجب التنافي بين وصفي القتل والرفع وذلك لا يتصور

آپکے مرنیسے پہلے ہی اپنے اس شک پر یقین رکھتے تھے۔" اب دیکھیے کہ استدلال پر کتنے اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ اولاً کہ رفع سے روحانی مراد لینا غلط ہے اسلئے کہ اس آیت میں مسیح علیہ السلام وصف مرفوعیت میں بطور قلب وعکس کے محصور کردیئے گئے ہیں لیکن اس حصر اور قصر کے لئے اوصاف کی منافات شرط ہے۔ مثلاً ایک شخص اعتقاد رکھتا ہے کہ زید قائم ہے۔ دوسرے نے اس سے مخاطب ہوکر کہدیا کہ زید قائم نہیں بلکہ بیٹھا ہے۔ پس دیکھیے یہاں پر متکلم نے ایسا بیان کیا کہ وہ مخاطب کے عقیدہ کا قلب و الٹ ہے۔ ظاہر ہے کہ کھڑا ہونا۔ بیٹھنا یہ دو صفتیں آپسمیں منافات ضروریہ رکھتی ہیں۔ بے شک منافات عام طور پر لی جاتی ہے۔ خواہ قصر وحصر کی بہترائی کے لئے یا نفس حصر کیواسطے شرط ہو۔ نیز واقع میں منافات ہو۔ یا اعتقاد میں۔ رہی یہ بات کہ وہ آیت کہ جسکا مضمون یہ ہے کہ انھوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ خداوند نے انکو اپنی طرف اٹھالیا ہے۔" بطور قصر قلب کے فرمائی گئی ہے۔ سو اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ اہل کتاب دعوی کرتے تھے کہ مسیح ع قتل کئے گئے ہیں۔ تو خداوند تعالیٰ نے انسے انکے گمان کے برعکس فرمایا کہ مسیح تو صرف مرفوع ہوئے ہیں۔ قتل نہیں ہوئے۔ اب ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کو وصف مرفوعیت میں قصر حصر کیا گیا ہے۔ مگر قلب و عکس کے طور پر۔ پس ضرور ہوا۔ کہ قتل اور رفع میں منافات ہو۔ لیکن یہ منافات

توجب ہی متصور ہے۔ کہ

الا اذا کان مرفوعاً حالکونہ حیاً اذ منافاۃ الرفع حال الحیوۃ ای الرفع الجسمانی للقتل ظاہر
بدیھی لا یحتاج الی تنبیہ فضلا عن دلیل ولما اذا کان الرفع رفعاً روحانیا فلوجوب اجتماع
الرفع مع القتل لا یتحقق التنافی بین الرفع والقتل لان کل احد یعلم قطعا ان من قتل فی سبیل اللّٰہ
فھو مرفوع بالرفع الروحانی باجماع المذاہب فحینئذٍ یجب اجتماعھما ومع ثبوت الاجتماع
النفس الامری بل والاعتقادی ایضاً ارتفع التنافی راساً فلم یصح القصر اولم یحسن فاما ان
یقر بکون ھذا الکلام نزل رداً لزعم اھل الکتاب فیلزمہ الاقرار بکونہ قصر القلب ووجوب
تنافی وصفی القتل والرفع باحد الوجھین ویکون الرفع رفعاً جسمانیا واما ان یقر بعدم وجوب
التنافی بین الوصفین فی قصر القلب وھذا ھدم للقواعد العربیۃ وبالجملۃ لابد لہ اما من القول
برفعہ علیہ السلام حیاً واما من الخروج عن العربیۃ فایھما شاء فلیختر والنظر الثانی ان ارجاع الضمیر

مسیح علیہ السلام بجسدہٖ مرفوع ہوئے ہوں۔ کیونکہ رفع بجسدہٖ بداہتہً منافی قتل ہے۔ مگر جب رفع سے
روحانی رفع مراد لیں گے۔ جیسا کہ کادیانی کا بیان ہے تو وہ قتل سے منافی نہیں ہے۔ کیا دیکھتے
نہیں کہ جو شخص خدا کی راہ میں قتل کیا جاتا ہے۔ تو اس کی روح مرفوع ہوتی ہے۔ پس جبکہ قتل کی
حالت میں رفع روحانی پایا گیا ہے۔ تو منافات کہاں رہی جس حالت میں یہ دونوں واقع میں بلکہ
عقیدہ میں بھی مجتمع ہوئے تو منافات سرے سے ہی اُڑ گی۔ بنابراں آیت میں جو قصر کے طور پر
فرمایا گیا ہے۔ خود قصر ہی غلط ہوگا۔ یا بہتر نہیں ٹھیریگا۔ نعوذ باللہ منہ۔ لہذا کادیانی پر دو باتوں میں سے
ایک کا اقرار کرنا لازم ہے۔ یا تو کہیگا کہ آیت اہل کتاب کی تردید کرتی ہے۔ لیکن اس صورت میں قصر القلب
قتل و رفع میں منافات کا اقرار کرنا ہوگا۔ پس مسیح علیہ السلام کا بجسدہٖ مرفوع ہونا بھی ماننا پڑے گا۔
یا کہدیگا۔ کہ قصر القلب میں وصفین کے درمیان منافات کا ہونا ضروری نہیں۔ مگر اس صورت میں
کلام عربی کے قواعد کا ہدم اور انکے برخلاف پر ہونا لازم آوے گا۔ مختصراً کادیانی کو اس سے گریز
نہیں ہوسکتا۔ یا تو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بجسدہٖ مرفوع ہونے پر ایمان لانا پڑیگا
یا قواعد عربیت سے منحرف ہوگا۔ پس دو میں سے جسے
چاہے اختیار کرلے۔ دوسرا اعتراض
معہ پہلی ضمیر کا

Marfat.com

الاول المشكوكية قتل عيسىٰ دون عيسىٰ ليس باولى من ارجاعه اليه فاختياره عليه مع لزوم مخالفة السلف والخلف ترجيح بلا مرجح بل ترجيح للمرجوح وهٰذا افحش من ذالك مع انه يكون المعنى على هٰذا ان كل كتابي يؤمن بان المسيح مشكوك القتل وان قتله ليس بقطعي كما اوضحه بنفسه وهٰذا المعنى لا يستقيم لان انبائهم بمضمون قتل عيسىٰ فى عنوان الجملة الاسمية وتاكيده بان صريح فى كونهم مذعنين بقتله ولذا رد الله عز وجل ادعائهم هٰذا بقوله عز وجل وما قتلوه يقينًا اذ لو لم يكن لهم الاذعان لكفى فى ردهم وما قتلوه ولم يزد عليه قيد يقينًا فالقول بانهم لم يكونوا مذعنين بل كانوا شاكين فى قتله قول بالغاء قيد يقينًا فى قوله تعالىٰ وما قتلوه يقينا لخلوه عن الفائدة على هٰذا التقدير وادعاء ان قيد يقينا قيد للقتل المنفى فى وما قتلوه فيكون النفى واردًا على القتل المقيد بهٰذا القيد والنفى على هٰذه الوتيرة كما يتحقق ويصح بانتفاء القيد كذالك يصح بانتفاء المقيد والقيد كليهما وههنا كذالك فان القتل مع التيقن منتف لا ينفعه ولا ينجيه من لزوم

مشکوکیۃ القتل کی راجع کرنیسے اس ضمیر کا خود مسیح علیہ السلام کیجانب پھیرنے سے اولی نہیں ہے چنانچہ ظاہر ہے پھر مشکوکیۃ کو مرجع بنانا باوجود اسکے کہ سلف خلف کے برخلاف ترجیح بلا مرجح بلکہ ضعیف کو ترجیح دینا ہے۔ یہ ترجیح پہلی ترجیح سے بدتر ہے معہذا آیت کا معنے اس تقدیر پر یوں ہوگا۔ کہ ہر ایک کتابی ایمان رکھتا ہے مسیح علیہ السلام کا مقتول ہونا شکیہ ہے۔ انکا مقتول ہونا یقینی نہیں ہے" چنانچہ کادیانی اس بات کو خود واضح کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ معنے درست نہیں ہے۔ کیونکہ انھوں نے مسیح علیہ السلام کا مقتول ہونا جملہ اسمیت کے لباس میں بیان کیا ہے۔ اور پھر اسکو موکد بھی کردیا ہے پس یہ صراحتہ اسپر وال ہے کہ وہ مسیح کے مقتول ہوجانے پر اذعان کر بیٹھے ہیں آخر اسیواسطے تو خداوند تعالےٰ نے انکی تردید کی کہ انھوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ اجی اگر انکو مسیح کے قتل ہوجانے پر اذعان نہوتا تو خداوند تعالیٰ اتنا ہی فرمادیتے کہ انھوں نے مسیح قتل نہیں کیا اور یقینا کی قید نہ بڑھاتے۔ پس یہ کہنا کہ انکو یقین و اذعان نہیں ہے یہ صاف طور پر اسبات کا اقرار ہے کہ قرآن شریف میں یقیناً کی قید لغو ہے۔ نعوذ باللہ منہ اچھا صاحب اگر یہ دعوی کرینگے کہ اس آیت میں جو یقینی مذکور ہے وہ تو منفی قتل کی قید ہے تو گویا یہ نفی قتل مقید پر وارد ہوئی۔ پس نفی جیسے کہ قید کے اٹھ جانے سے منتفی ہوتی ہے ویسے ہی قید و مقید دونوں کے اٹھ جانے سے منتفی ہوجاتی ہے یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ یقینی قتل منتفی ہے اسواسطے آیت کا معنے یوں ہوگا کہ انکا متیقن قتل نہیں پایا گیا ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں باوجود

Marfat.com

الغاء القید لکفایۃ نفی اصل القتل فی ردھم مع انہ یخالف القاعدۃ الاکثریۃ من ان النفی الوارد علی المقید یتوجہ الی القید فحسب عے انہ لم یوجد دلیل علی انہم قالوا بھذہ الجملۃ من غیر صمیم القلب کما وجد علی کون قول المنافقین لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نشہد انک لرسول اللہ من غیر صمیم القلب فکیف یصح ان ھذا القول منہم مع کونہم شاکین من قبیل اظہار خلاف ما کانوا علیہ لئلا یتوجہ ایراد لزوم الالغاء علی الکائد المستدل بل وجد الدلیل علی انھم کانوا یقتلہ مذعنین کما یدل علیہ صریح عبارۃ القرآن ان النصاری قدیما وحدیثا یدعون بذالک ویدعون الناس الی الایمان بذالک ویزعمون ان وقوعہ علیہ السلام کان کفارۃ لذنوب امتہ مع انہ کان ذالک مکتوبا فی انجیلھم وان کان بطریق التحریف لکنہم لایمانہم بالانجیل وزعمہم عدم التحریف فیہ

ان لن ترانیوں کے یقیناً کی قید کا فائدہ مند ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ پھر بھی کادیانی کو اس قید کے لغو ہونے کا مقر بننا پڑے گا. اولاً کہ انکی تردید کے لئے نفس قتل اور بلا قید ہی کی نفی کافی تھی۔ دوم یہ بات اکثری قاعدہ سے مخالف ہے وہ قاعدہ یہ ہے کہ نفی جب مقید پر وارد ہوتی ہے تو وہ نفی صرف قید کیطرف متوجہ ہوجاتی ہے علاوہ براں یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوتا ہے کہ انھو نے یہ جملہ (انا قتلنا المسیح الخ) بلا اذعان ہی کہدیا ہے جیسا کہ دوسری ایک آیت میں بلا اذعان کہدینے پر دلیل موجود ہے۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ منافقین کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں یا محمد کہ آپ بلاشبہ خداوند تعالی کے رسول ہیں" تیسرے دعوی کرنا کہ اہل کتاب نے باوجودیکہ شک میں پڑے ہوئے ہیں" اپنے عقیدہ سے مخالفانہ کہدیا ہے کہ مسیح کو قتل کیا ہے" کیسے بلا دلیل قبولیت کے قابل ہے۔ البتہ اگر اس پہ کوئی دلیل ہوتی تو یقیناً کی قید کا لغو ہونا لازم نہ آتا مگر دلیل تو نادارد ہے اسلئے کادیانی لغو ہونیکے الزام سے نہیں بچتے۔ ہاں یہ تو دلیل موجود ہے کہ وہ لوگ مسیح کے مقتول ہوجانے پر اذعان کرچکے ہیں"۔ دیکھو قرآن کی عبارت ہی پہلی شاہد عدل ہے۔ دوم نصاری اور فرقوں کو اسی بات کیطرف بلاتے ہیں کہ آؤ مسیح کے مقتول ہونے پر ایمان لاؤ اور یہ اس گمان سے کہتے ہیں کہ مسیح امت کے گناہوں کے بدلہ قتل کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات انکی انجیل میں بھی لکھی ہوئی ہے گو تحریف کے طور پر ہی ہو لیکن وہ اسی لئے اذعان کر بیٹھے ہیں کہ وہ انجیل کو

Marfat.com

کیف یجوز ویمکن منھم الشك فی قتل عیسیٰ علیہ السلام ومع وجود ھذا الدلیل لا یتصور
ان ینسب الی جمیعھم الشك فی قتلہ وقول اللہ عزوجل وان الذین اختلفوا فیہ لفی شك منہ مالھم
بذالك من علم الا اتباع الظن مؤول بان المراد بالشك لیس ما یتساوی طرفاہ کما اصطلح
علیہ المنطقیون بل المراد من الشك المذکور ما یقابل العلم ومن العلم الحکم الجازم الثابت المطابق
لنفس الامر وعلی ھذا لا تنافی بین شکھم وادعائھم فی قتل عیسیٰ علیہ السلام فیکون معنا
وان الذین اختلفوا فیہ لفی شك منہ ای لفی حکم غیر مطابق للواقع وان کان حکمھم بذالك حکما
جازما ولکن لعدم مطابقتہ لنفس الامر لا یعد علما بل شکا ولیس لھم بذالك علم اذ لا بد
فیہ من المطابقۃ فی نفس الامر فھم انما یتبعون الظن ای الحکم الغیر المطابق لنفس الامر فیکون
مآل الشك والظن واحدا ولو ارید بالمعنی المصطلح لاھل المعقول لم یتحد مصداقھما
معہذا یہ کہنا کہ مسیح علیہ السلام کے قتل ہو جانے پر اذعان نہیں رکھتے ہیں کیا صریح بہتان ہے۔ باوجود اس
روشن دلیل کے سب کی طرف شک کو منسوب کرنا کیونکر متصور ہے۔ شاید ایسے لوگوں کو اس آیت سے جسکا
مضمون یہ ہے کہ وہ لوگ کہ مختلف ہوئے البتہ قتل کے بارے میں شک میں ہیں۔ نہیں انکو اسکا اذعان
مگر کہ ظن کی تابعداری کرتے ہیں) وہم پیدا ہو گیا ہو گا۔ سو واضح رہے کہ شک جو اس آیت میں مذکور ہے وہ
منطقیوں کے طور پر نہیں ہے۔ منطقی تو شک اسکو کہتے ہیں۔ کہ جسکے دونوں جانب برابر ہوں[۱]۔
بلکہ شک سے آیت میں ضد علم مراد ہے جسے حکم جازم مطابق واقع کہتے ہیں مختصراً کہ شک سے ضد یقینی مطلوب
ہے۔ پس اس لحاظ سے مسیح علیہ السلام کے مقتول ہو جانے کے بارہ میں انکے شک کنندہ اور متیقن ہونے میں منافات
نہیں ہے بریں تقدیر آیت کا معنے یوں ہو گا کہ وہ لوگ جو مختلف ہوئے البتہ قتل کے بارہ میں شک میں ہیں
یعنی البتہ وہ ایسے خیال میں گرفتار ہیں کہ جو خلاف واقع ہے گو وہ لوگ یہ حکم بزعم خود قطعاً و جزماً لگاتے ہیں۔
لیکن چونکہ وہ دراصل مطابق واقع نہیں علم و یقین نہیں ہے بلکہ شک ہے کیونکہ یقین کے لئے یہ ضروری ہے کہ
مطابق واقع ہو۔ پس بلاشبہ وہ ظن کے تابعدار ہیں یعنی اس خیال اور حکم کے تابعدار ہیں جو واقع کے مطابق نہیں
اسلئے شک اور ظن کا مآل اور مرجع ایک ہی ہوا۔ اگر شک و ظن کو منطقیوں کی اصطلاح کے موافق لیں گے تو ان دونوں
کا مصداق ایک نہیں ہو سکتا

---

[۱] جیسے کہ زید کے قائم ہونے کا خیال ہو ویسے ہی اسکے قائم نہ ہونے کا بھی خیال ہو اور کسی جانب کو ترجیح نہ ہو اسی منطقی شک کہا کرتے ہیں ۱۲ مترجم

Marfat.com

المنافر بينهما لوجوب رجحان احد طرفي الظن اي الطرف الموافق وعدمه مطلقا في
الشك وهذا ظاهر واطلاق الشك والريب على غير المعنى المصطلح لهم مما يقابل العلم اليقيني
شائع وفي القرآن واقع قال عز وجل وان كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا اطلق الريب
على انكارهم وقولهم الجازم بانه كلام البشر وبانه شعر او كهانة ويدل على ذلك قوله تعالى
فلا اقسم بما تبصرون وما لا تبصرون انه لقول رسول كريم وما هو بقول شاعر قليلا
ما تؤمنون ولا بقول كاهن قليلا ما تذكرون تنزيل من رب العالمين فلو كانوا شاكين في
كونه كلام الله تعالى بالشك المصطلح لما وقعت هذه التاكيدات من كون الجملة اسمية و
تاكيدها بان وبالقسم فهذه دلالة بينة على شدة انكارهم لكونه كلام الله تعالى البالغ
الى حد الجزم بانه كلام غير الله وكذا اطلاق الظن عليه قال تعالى ان يتبعون الا الظن و

کیونکہ انکے نزدیک ظن[1] وہ خیال ہے کہ طرف موافق قوی ہو۔ اور شک میں انکے نزدیک مطلقاً رجحان نہ چاہئے
چنانچہ ظاہر ہے۔ رہی بات کہ قرآن شریف میں کہیں بھی شک کا معنے برخلاف منطقین کے لیا گیا ہے سو
واضح ہو کہ قرآن مجید میں یہ بات موجود ہے۔ دیکھو خداوند تعالے فرماتا ہے کہ اگر تم لوگ قرآن کے بارہ میں ریب
یعنے انکار میں پڑ گئے ہو الخ۔ آب دیکھو کہ اس آیت میں جو ریب بمعنے شک ہے انکے انکار۔ انکے حکم بالجزم پر کہ یہ خدا
کی کلام نہیں ہے بلکہ کسی بشر کی ہے۔ شعر کہانت ہے۔ اطلاق کیا گیا ہے۔ اسیطرح خداوند تعالے کی یہ
کلام دلالت کرتی ہے کہ ہم ان چیزوں کی قسم کھاتے ہیں جنہیں تم دیکھتے اور جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو۔ کہ قرآن
فرشتہ جبرئیل کے مونہہ سے نکلا ہے۔ کسی بشر کی کلام۔ شاعر کی کلام نہیں ہے۔ بتھوڑے ہی لوگ ایمان لاتے ہیں
اور نہ یہ کاہن کی کلام ہے۔ تھوڑے ہی لوگ ہیں جو نصیحت قبول کرتے ہیں یہ قرآن منزل من اللہ ہے۔ اس
آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اگر قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک کنندہ بایں معنے ہوتے کہ
جو شک کا معنے منطقی کرتے ہیں۔ تو خداوند یہ تاکیدیں یا نہ فرماتا پہلی کہ جملہ اسمیہ بیان فرمایا۔ دوم انؔ کو ذکر کیا۔
سوم قسم۔ پس بلاشبہ یہ اسپر دلالت کرتی ہے کہ انکا انکار قرآن شریف کا کلام الٰہی ہونے سے اس حد تک پہنچا ہے
کو انھوں نے یقین کر لیا ہے کہ یہ غیر اللہ کی کلام ہے اسی طرح پر ظن کا بھی اسی خیال پر جو خلاف واقع ہو اطلاق کیا
ہوا ہے دیکھئے وہ آیت جسکا ماحصل یہ ہو کہ وہ صرف ظن کی تابعداری کرتے ہیں۔ اور وہ صرف

[1] چنانچہ ایک شخص زید کے قائم ہونے پر غالب گمان رکھتا ہے گو اسکے قائم نہ ہونے کا بھی اسکو ضعیف سا گمان ہے
اسکو منطقیین ظن کہتے ہیں ۱۲ مترجم

Marfat.com

ھم لا یخرصون وخلاصۃ الاشکال الذی ورد علیہ علی تقدیر ارجاع الضمیر الاول الی الشک اما لزوم الغاء القید فی لا لۃ واما حمل قولھم انا قتلنا المسیح بن مریم علی خلاف الظاھر مع وجود ما یوجب حملہ علی الظاھر فمن التزم الاول فقد تکافر وان الثانی فقد تحامر فایھما شاء فلیختر وثالث الانظار ان فی ھذا التوجیہ تکلفا بحیث لا یتبادر الذھن الی رجوع الضمیر الی ما ادعی رجوعہ الیہ مع انتشار الضمیر وذالک مخل لکمال فصاحۃ القران و الرابع ان المعنی علی ھذا التقدیر یؤول الی انہم یصدقون بمشکوکیۃ قتلہ ولما کان الشک والمشکوکیۃ متحدین لزم کون التصدیق متعلقا بالشک الذی ھو تصور سواء ارید بالشک مفھومہ العنوانی او مصداقہ لان کلا منہما تصور لا محالۃ وسواء ارید بالتصدیق الادراک الاذعانی الذی ھو من جنس الادراک او الحالۃ

چھوڑ بیٹھے ہیں۔ غرضکہ اعتراض مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر پہلی ضمیر کو شک کیطرف پھیرینگے تو یا قید کا لغو ہونا لازم آویگا۔ یا یوں کہنا پڑیگا کہ یہ آیت جس کا معنے یہ ہے کہ وہ اعتقاد کر بیٹھے ہیں کہ ہمنے مسیح علیہ السلام کو قتل کر ڈالا ہے" اپنے ظاہر معنے پر محمول نہیں۔ حالانکہ ظاہر پر محمول ہونے کا بھی موجب موجود ہے۔ پس جو لوگ پہلی کا التزام کریں گے تو یہ کفر ہے۔ اگر دوسرے کو اختیار کریں گے تو یہ نادانی ہے۔ اب ان دونوں میں سے جس کو چاہئیں اختیار کرلیں تیسرا اعتراض کہ یہ توجیہ تکلف محض ہے۔ کیونکہ جسکی طرف تم ضمیر کو راجع کرتے ہو یہ رجوع ہرگز متبادر نہیں ہے۔ نیز اس قسم کے ارجاع سے انتشار ضمائر لازم آتا ہے۔ قرآن شریف میں انتشار ضمائر کا قائل ہونا یا تو بے عیب پراز فصاحت قرآن کو بٹہ لگانا۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ اور جب یہ سب کچھ باطل ہوا تو ہمارا ثابت ہوا چوتھی بحث کہ جب اسطرح پر ضمیر کا مرجع مانا جاوے تو آیت کا معنے یہ ہوگا کہ اہل کتاب مسیح علیہ السلام کی مقتولیت کے مشکوک ہونے پر تصدیق رکھتے ہیں اور شک و مشکوکیۃ چونکہ ایک ہی بات ہے تو تصدیق کا شک سے تعلق پکڑنا لازم آتا ہے۔ یہ شک جو ایک قسم کا تصور ہی ہے اسکے لفظ کا مفہوم ہی شک سے مراد رکھ لیں یا جس پر وہ شک شادق آتا ہے وہی مقصود رکھیں اسلئے کہ شک کا معنے اور اس کا مصداق دونوں تصور ہی ہیں عام اس سے کہ تصدیق علم الیقینی جو مطلق ادراک و تصور کا قسم ہے" مقصود ہو۔ یا وہ حالت کہ بعد ادراک کے

Marfat.com

الادراكية الاذعانية التي هي من لواحق الادراك وتعلقه بالتصور مطلقا باطل كما تقرر في مقره ولكن تعلقه بالشك حال كون التصديق من جنس الادراك افحش من تعلقه به على تقدير كونه من لواحقه لانه على هذا يكون الشك معلوما والتصديق ادراكا وعلما به وقد ثبت بالبرهان عندهم اتحاد العلم بمعنى الصورة العلمية بالمعلوم فلزم اتحاد التصديق والشك مع انهما متباينان والنظر الخامس ان الشك المصطلح عبارة عن التردد بين طرفي النسبة من الوجود والعدم على التساوي اي ادراك النسبة مع تجويز طرفيها من غير اذعان باحد جانبيها فالمعنى الذي اراد الكائد من ان اهل الكتاب يؤمنون بشكهم في قتل عيسى قبل الايمان بموته الطبعي يرجع الى ان شكهم في قتله حاصل من غير اذعان بموته الطبعي لان من لوازم القبلية ان لا يوجد البعد حين حدوث القبل ولان الشك في

پیدا ہوتی ہے جسے دانش کہتے ہیں" مطلوب ہو۔ لیکن تصدیق کا بہر حال تصور یعنے شک سے متعلق ہونا باطل ہے۔ چنانچہ یہ بات ثابت ہے ہاں تصدیق کا شک سے اس صورت میں متعلق ہونا۔ کہ تصدیق جنس تصور سے مان لیں بہت فحش ہے۔ اس صورت سے کہ تصدیق کو بمعنے دانش لیں۔ وجہ یہ ہے۔ کہ جب تصدیق کو تصور کا ہی قسم سمجھکر شک سے متعلق جان لیں تو شک معلوم ہوجاویگا اور پھر تصدیق کو بہ نسبت شک کے علم قرار دینا پڑے گا۔ حالانکہ دلیل سے ثابت ہے کہ علم تصور وصورت علمیہ[له] کے معنے سے معلوم کے ساتھ متحد ہوتا ہے۔ لہذا لازم آیا۔ کہ تصدیق اور شک ایک ہی بات ہو حالانکہ یہ صریح غلط ہے کیوں غلط نہ ہو کہ تصدیق و شک آپسمیں غیریت رکھتے ہیں۔ پانچویں بحث کہ شک اصطلاحی جب ہی متحقق ہوگا۔ کہ نسبت کے طرفین میں تردد ہو یعنے یہ ایسا ہے یا ایسا۔ لیکن دونوں میں سے کسی جانب کو ترجیح نہو۔ بلکہ طرفین کی تجویز برابر ہو۔ پس کادیانی کی یہ تفسیر کہ "اہل کتاب شک کو بیت قتل پر مسیح علیہ السلام کے طبعی مرنیسے پہلے ایمان رکھتے ہیں" اسطرف کو راجع ہوگی کہ اہل کتاب کا اس قسم کا شک بغیر اس کے کہ انکو مسیح علیہ السلام کی طبعی موت پر یقین ہونا موجود تھا"۔ کیونکہ تقدم کے لوازم سے ہے کہ مابعد مقدم پیدا ہونیکے زمانہ میں موجود نہو۔ نیز

له - جب انسان کا خلا علم حاصل ہوتا ہے۔ تو یوں ہوتا ہے۔ کہ اسکی ماہیت اور صورت ذہن نشین ہوتی ہے پس اس صورت کو صورت علمیہ کہتے ہیں ۱۲ مترجم

او النبوة وفی ھذا تحقیر لھم ولا یناسب ذلك لعلو حالھم وقد تقرر فی کتب العقائد ان الانبیاء بعد انتقالھم من دار الدنیا لا یعزلون عن مناصب النبوة بل صرح فی بعضھا بتکفیر من قال بھذہ الجملة او ھل ھم متصفون بوصف النبوة وھذا یخالف قول اللہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّین لان خاتمیتہ تقتضی ان لا یکون بعدہ نبی فکیف یصح ان یکونوا موصوفین بالنبوة بعد کون نبینا صلی اللہ علیہ وسلم مبعوثاً وکیف لا یعزلون عن منصب النبوة فی المعاد فما ھو جوابك عن ھذا النقض الوارد فھو جوابنا عن اعتراضك المزخرف والحل ان المسیح علیہ السلام حین تمکنہ فی السماء وحین نزولہ وکذا ھو وسائر الانبیاء فی البرزخ وفی المعاد متصفون بوصف النبوة والرسالة غیر معزولین عن مناصبھم

یا عالم آخرت میں موصوف ہونگے یا نہ اگر کہدینگے کہ معزول ہیں یا معزول ہونگے تو یہ صاف سب پیغمبروں کی ہتک ہے اور یہ انکی عالی شان سے مناسب ہے۔ بھلا ایسا کیونکر ہو کتب عقائد میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء علیہم السلام بعد الانتقال ہرگز اپنے مناصب سے معزول نہیں ہوتے بلکہ بعض نے صراحۃً لکھا ہے کہ جو شخص اس عزل کا قائل ہوگا وہ کافر ہے اسلئے ماننا پڑے گا کہ وہ دونو عالموں میں صفت رسالت ونبوت کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں۔ مگر یہ بات قادیانی کے طرز پر آیت سے مخالف ہے۔ کیونکہ انکے نزدیک آیت سے ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد کسی نبی کو نبوت ورسالت کی صفت ثابت نہیں ہونی چاہئے۔ پس وہ پیغمبر عالم برزخ میں رسالت ونبوت سے کیسے موصوف ہوسکتے ہیں اور کیوں نہیں عالم آخرت میں انسے عہدہ رسالت ونبوت کا چھینا گیا ہوگا۔ آخر وہ وقت بھی تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونیکے بعد ہی ہے پس جو کچھ قادیانی جواب دیگا وہی ہماری طرف سے بھی جواب ہے۔ ثانیاً ہم تفصیلی نقض پیش کرینگے وہ یوں ہے کہ مسیح علیہ السلام جسوقت کہ وہ آسمان پر مستقر ہیں اور جس زمانہ میں اترینگے اسیطرح باقی انبیاء عالم برزخ میں اور آخرت میں بالضرور رسالت ونبوت کے ساتھ موصوف ہیں اور رہونگے

سلہ شاید بعض لوگ یہ کہدیں کہ عالم برزخ اور آخرت مستثنے ہے ہم انکے جواب کہدیں گے کہ مسیح علیہ بھی مستثنے ہے!!

اسی حضرت مولانا صاحب مدظلہم کا یہ فرمودہ فما ھو جوابکم فھو جوابنا خوب ذہن نشین ہوگا ۱۲ مترجم

وقول الناقص ان هذا يخالف قول الله عز وجل ما كان محمد الاية غير متوجه اذ النبي صلى الله عليه وسلم اخر الانبياء بعثا بمعنى انه اوتي النبوة بعدما اوتيها سائر النبيين عليهم من الصلوة اتمها ومن التسليمات اكملها وليس باخرهم بقاءً بمعنى ان كلهم مما عداه صلى الله وسلم عليه وعليهم بعد رسالته صاروا معزولين عن مناصب نبواتهم ورسالاتهم ولا منافاة بين كونه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين واخرهم وبين بقاء نبواتهم ورسالاتهم لان المعية بين الشيئين بقاءً لا ينافي بعدية احدهما واولية الاخر حدوثاً كما ترى في البناء والبناء وفي الابن والاب فان حدوث البناء بعد حدوث البناء وحدوث الابن بعد حدوث الاب مع تحقق المعية بينهما بقاءً وامثلته كثيرة

رہی یہ بات کہ یہ عقیدہ آیت (جس کا مضمون مختصر یہ ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں) اس کے مخالف ہے سو ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثاً آخر الانبیاء ہیں بایں معنے کہ وہ بعد از انکہ باقی انبیا علیہم السلام نبوت دیئے گئے ہیں انہیں نبوت عنایت کئے گئے اور آپ بقاء نبوت میں ان سے متاخر نہیں ہیں یعنے آپ کے خاتم النبیین ہونیکے یہ معنے نہیں کہ اور پیغمبروں سے پیغمبری چھینی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین[1] ان سے متاخر ہونے۔ ان پیغمبروں کی رسالت و نبوت باقی رہنے میں کچھ منافات نہیں ہے۔ کیونکہ دو چیزوں کی بقاء میں معیت ایک کی بعدیت۔ دوسرے کی حدوثاً اولیت کو مغائر نہیں ہے۔ دیکھو عمارت اور معمار۔ بیٹا۔ باپ اسلئے کہ عمارت معمار کے موجود ہونیکے بعد موجود ہوتی ہے۔ بیٹا باپ کے موجود ہونے کے بعد موجود ہوتا ہے۔ معہذا عمارت۔ معمار۔ بیٹا۔ باپ بقا سے میں معیت رکھتے ہیں۔ دوسری مثالیں بھی ہیں لیکن اتنے ہی مثالوں پر کفایت کی گئی۔

[1] قادیانی صاحب کو اس حدیث نے بھی جس کا یہ مضمون ہے کہ میرے بعد وحی نہیں اترے گا۔ دعوی مسیحیت پر مسیت ر چالاک کر دیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ انکو اتنے عریض و طویل دعوے کے ہوتے یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ حدیث ہی صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ ہم انوار محمدی کے بعض ابواب میں بیان کر چکے ہیں ۱۲ مترجم

لا تحصی ثم اکد ذلک المعترض ھذا الاعتراض المزخرف فی موضع اخر من کتابہ بان المسیح لو کان حیًا فی السماء منتظر انزولہ الی الارض فاذا نزل والحال انہ لا یعرف العربیۃ فیحتاج الی علم القرآن ولا یتیسر لہ ذلک لعدم معرفتہ العربیۃ و یتعسر لہ التعلم فی تلک الحالۃ لشیخوختہ فیحتاج الی ان ینزل علیہ کتاب جدید بلسانہ فیقرء الناس کتابہ ویقرء فی صلوتہ من ذلک الکتاب ویعلم الناس الکلمۃ بلسانہ وفی ھذا استیصال لدین الاسلام اقول متمسکا بلاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ومستعیذا باللہ من الشیطان انصال المضل الرجیم ان کل ذلک سفسطۃ من سفسطاتہ ولا ادری انہ کیف حصل لہ العلم الیقینی بان المسیح لم یکن یعرف العربیۃ مع کون العبریۃ کثیر التوافق کالفنجابیۃ والاردویۃ فھل یتعسر لمن یعرف احدی اللغتین معرفۃ اللغۃ الاخری منھما واما شاھد

پھر اس کادیانی نے اپنے اس اعتراض کو دوسرے مقام پر اپنی کتاب میں تائید کی ہے کہ اگر مسیحؑ آسمان پر نزول کے لئے منتظر ہیں تو جسوقت اتریں گے تو اُسوقت تو وہ عربی نہیں جانتے ہونگے۔ لہذا علم القرآن کیطرف محتاج ہونگے اور یہ تو اُن کے لئے آسان نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عربی جانتے ہی نہیں اور کسی سے تعلیم پانا بھی اُن کے واسطے مشکل ہے۔ اُسوقت وہ سن شیخوخت میں ہونگے۔ لہذا لازم ہوا کہ اُنپر کوئی نئی کتاب اُنہی کی زبان میں نازل ہو۔ تاکہ لوگوں کو تعلیم دیں اور نمازیں پڑھیں۔ لوگوں کو اپنی زبان میں ہی کلمہ توحید کی تعلیم دیں حالانکہ دین اسلام کو گویا جڑہ سے اکھاڑنا ہے + ہم لاحول ولا قوۃ سے تمسک کرکے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم انضال وانضل پڑھکر اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ باطل ہے معلوم نہیں ہوتا۔ کہ کادیانی کو یہ علم یقینی کہاں سے حاصل ہوا کہ مسیح علیہ السلام عربی نہیں جانتے۔ حالانکہ عربی اور عبری زبان آپسمیں بہت ہی موافق ہے۔ جیسے کہ پنجابی۔ اردو زبان ایکدوسری سے بہت کچھ موافق ہے۔ اب کہئے کہ پنجابی دان پر اردو کا جان لینا دشوار ہے ہرگز نہیں۔ پس کادیانی کا یہ کہنا کہ مسیح علیہ الصلوۃ والسلام پر عربی کا علم دشوار ہے + مردود ہے۔ کیا دیکھا نہیں ہوا ہے۔ کہ

الذین یعرفون السنۃ مختلفۃ ویقدرون علی اداء مضامینہم بلغات متنوعۃ
الیس فی نفسہٖ اٰیۃ انہ مع کونہٖ من خمسۃ ما ء یعرف لغتہا ویعرف اللغۃ الفارسیۃ
فایّ شئ اعجز المسیح من تعلمہ العربیۃ اما بتعلیم اللہ تعالیٰ او بتعلیم معلم من البشر
لسبق التقدیر الازلی علی کونہ مجددًا لہذا الدین ولم یعجز الکاذب من معرفۃ
اکثر من لغۃ واحدۃ فبایّ شئ یتیسر ذلک لغیر النبی ولم یتیسر للنبی الذی تکلم
حال کونہٖ صبیًا وقال انی عبد اللہ اٰتانی الکتاب وجعلنی نبیًا مبارکًا ولو سلم
عدم علمہ العربیۃ قبل رفعہ الی السماء فمن این جزم بانہ لا یتعلم فی الملکوت ولئن سلم عدم
تعلمہ ہناک فمن انبأہ انہ لا یمکن لہ اولا یتیسر لہ العلم بہا حین نزولہا فمن علم الاسماء
کلہا لآدم وعلم نبینا المکرم

جو لوگ مختلف زبانیں جانتے ہیں وہ انکے مضامین کو مختلف زبانوں میں ادا کرسکتے ہیں۔ اجی
اپنے ہی آپ کیطرف خیال کریئے کہ جو خود پنجابی ہے اور فارسی کو جانتا ہے۔ پس یہ کس مونھ سے
کہدیا ہے کہ مسیحؑ تعلیم عربی سے (خواہ بتعلیم اللہ ہو یا تعلیم بشر سے۔ اسلئے کہ خداوند تعالیٰ نے انکو
ازل میں ہی دین محمدی کا مجدد بنا رکہا ہے) عاجز ہونگے۔ کیا وہ نبی عاجز ہونگے۔ کیا وہ نبی عاجز
ہوا اور کادیانی عاجز نہوا۔ سبحان اللہ مسیح علیہ السلام پر یہ دشوار۔ اور کادیانی کیلئے آسان۔ حالانکہ مسیحؑ
وہ پیغمبر ہیں کہ جن کے حق میں قرآن شریف میں آیا ہے کہ مسیحؑ نے سن صبا میں یہ گفتگو کی کہ میں خدا کا
بندہ ہوں۔ خداوند تعالےٰ نے مجھکو کتاب دی۔ اُسنے مجھکو نبی۔ مبارک بنایا۔ اب دیکھئے کہ مسیح
علیہ السلام کی یہ گفتگو سنِ صبا میں تہی اور کادیانی کہتے ہیں کہ جب اُتریں گے (اور باتیں تو درکنار
رہنے دو) تعلم سے بہی عاجز ہونگے۔ نعوذ باللہ منہ۔ اچھا مان لیا کہ مرفوع ہونے سے پہلے آپ
عربی نہیں جانتے تہے لیکن کادیانی کو یہ یقین کہانسے حاصل ہوا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو عالم
ملکوت میں یہ علم نہیں دیا گیا۔ یہ بہی مانا کہ ملکوت میں بہی انکو یہ علم نہیں دیا گیا ہے
لیکن یہ خبر اسکو کہانسے ملی ہے کہ علم عربی مسیح علیہ السلام کیلئے ممکن یا آسان
نہیں۔ بہلے مانسو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس نے تمام چیزوں
کے نام سکہلائے تہے۔ ہمارے سردار حضرت محمدؐ

Marfat.com

علم مالم يعلم المسيح بن مريم وليس ذلك على الله بعزيز اما قرع صماخ اذنه
ان صاحب القوة القدسية تصير النظريات كلها بديهية عنده وهذا مجمع عليه
عند اهل المعقول فكيف يستبعد ذلك ولم يستبعد هذا ولئن سلمنا استبعاده
او استحالته فلا نسلم ان تبليغ احكام الشريعة وتفهيم معانی القرآن وتادية مفاهيم
كلمات التوحيد بلغة غير العرب تبديل للاسلام ونسخ للاحكام واستيصال
للدين المتين لانه لو كان كذالك للزم كون المسلمين كلهم من غير العرب مبدلا
للاسلام وللزم كون الكائد لما انه يؤدي العقائد ومعانی القرآن وكلمات التوحيد
حسب ما يتصير بالهندية مبدلا للاسلام ومعرضا عنه ولوجب ان من ايقن بان الله

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے باوجود اُمی ہونے کے بے کنار دریائی علوم عنائت کیا تھا جس نے
انکو عنائت کیا وہی مسیح ؑ کو عنائت کریگا۔ اجی کادیانی کے کانوں کو اس خبر کی ہوا کی جوش نے
نہیں کھڑکایا ہے۔ کہ ”صاحب قوت قدسیہ کے سامنے نظریات بھی بدیہی ہوجاتے ہیں“ ۔ یہ
بات اہل معقول کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ پس کیسے مسیح کا عربی کو جان لینا بعید سمجھا گیا۔
اور وہ بعید نہیں سمجھا گیا۔ اگر اس کے بعید ہونے کو ہم تسلیم بھی کر لیں۔ لیکن اس بات کو تسلیم
نہیں کرتے کہ معانی قرآن کا سمجھنا۔ کلمات توحیدیہ کے معانی کو ادا کرنا عربی کے بغیر دوسری
زبان میں اسلام کو بدل ڈالنا ہے۔ احکام کو منسوخ کردینا ہے[1] دین اسلام کو جڑہ سے اکھاڑنا
ہے جیسا کادیانی کہتے ہیں۔ اسلئے کہ اگر ایسا ہوتا۔ تو لازم آتا کہ مسلمان اہل عرب کے سوا سب
سب اسلام کو بدل ڈالنے والے ہوں۔ بلکہ خود کادیانی جو عقائد اور معانی قرآن۔ معانی
کلمات توحیدیہ کو اردو میں جیسے کہ اسکو پسند آتے ہیں ادا کرتے ہیں ”نیز محرف اسلام ہوں“
اجی کادیانی کی تقریر سے تو لازم آتا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کی توحید

[1] ۔ حدیث میں آیا ہے کہ مسیح علیہ السلام جزیہ کو موقوف کردیگا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ناسخ دین محمدی
ہونگے وجہ یہ ہے کہ یہ حکم بھی دراصل احکام محمدیہ سے ہی ہاں یہ تو ضرور ہے کہ یہ حکم اس زمانہ کے واسطے ہے کہ مسیح ؑ
اترینگے چنانچہ ہم انوار محمدی کے بعض ابواب میں بخوبی اس بات کا فیصلہ کر چکے ہیں ۱۲ مترجم

Marfat.com

عزوجل متصف بصفاته الكمالية التی دلت علیها النصوص وواحد لا مماثلة شیٔ ولا یشبهه احد لا فی ذاته ولا فی صفاته وان اكرم الموجودات واشرف المخلوقات سیدنا محمدًا النبی العربی الهاشمی صادق فی دعواه النبوة حق ما جاء به من عند الله تعالی وتلفظ بهذه المعتقدات الحقة الثابتة بلغة یعبر بها من غیر العربیة ودام علی هذا التیقن والاقرار ومات علی ذلك لا یكون مؤمنًا فهل هذا الا نفی لعموم دعوة القرآن واثبات لخصوص رسالة رسول الانس والجان وقد قال تعالی وتبارك تبارك الذی نزل الفرقان علی عبده لیكون للعلمین نذیرًا. وقال عزوجل وما ارسلناك الا رحمة للعلمین وقال وعز من قائل وما ارسلناك الا كافة للناس وامره الله تعالی بقوله یا ایها الناس انی رسول الله الیكم جمیعًا افلم یعلم انه كما ان انكار اصل نبوة نبینا محمد صلی الله علیه وسلم كفر كذلك انكار عموم نبوته صلی الله علیه وسلم كفر لكون كل منهما متساوی الاقدام فی رد النصوص القطعیة وایضًا استدل علی عدم كونه فی السماء بقوله تعالی اوصنی

ذاتی وصفاتی۔ جناب سید ومولا حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسپر جو آپ خدا سے الکلام لائے ہیں ایمان رکھتا ہے۔ اسکو فارسی کشمیری۔ اردو۔ پنجابی میں بیان کرتا ہو + باوجود اسکے کہ اسی عقیدہ اور بیان پر مر بھی ہوگیا ہو۔ مسلمان نہ ہوا العیاذ باللہ۔ پس کیا یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے عموم اور قرآن کی دعوت عامہ سے انکار نہیں ہوا۔ بلکہ انکار ہے حالانکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ پاک پروردگار وہ قادر مطلق ہے کہ اسنے اپنے خاص بندہ پر قرآن کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام عالموں کے لئے ڈرانیوالا ہو۔ نیز فرماتا ہے کہ ہمنے تجھکو یا رسول اکرم نہیں مبعوث فرمایا۔ مگر تمام عالموں کے واسطے رحمت۔ نہیں بھیجا ہمنے تجھکو مگر تمام لوگوں کی طرف (خواہ عربی ہوں یا ترکی یا فارسی وغیرہ) نیز فرمایا کہ یا محمد تم کہدو کہ میں تمہارے سب لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں + کیا یہ معلوم نہیں جیسے کہ آپکی نفس پیغمبری سے انکار کرنا کفر ہے ویسے ہی آپکی عموم نبوت سے منکر ہوجانا کفر ہے۔ کیونکہ جس طرح کہ اصل نبوت سے انکاری ہونا نصوص قطعیہ کو رد کرنا ہے اسیطرح عموم نبوت سے انکاری ہونا نصوص قطعیہ سے لڑائی اور مقابلہ ہے۔ کادیانی مسیح علیہ السلام کے آسمان پر زندہ نہ ہونیکے لئے یوں بھی استدلال کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسیح نے بیان کیا کہ خداوند

بالصّلوۃ والزکوۃ مادمت حیًّا وبرًّا بوالدتی وبحریرہ بانہ لوکان حیًّا للزم کونہ مامورًا فی السّماء باداء الزکوۃ وباحسان والدتہ وظاھر ان امتثالہ بھذین الامرین وھو فی السماء غیر متصور والجواب ان المراد بالزکوۃ ھٰہنا معناھا الحقیقی وھے الطھارۃ دون معناھا المنقول الفقہی المعرف فی کتب الفقہ کما ارید بقولہ تعالٰی ومن تزکی فانما یتزکی لنفسہ وبقولہ تعالٰی فاردنا ان یبدلھما ربھما خیرًا منہ زکوۃ واقرب رحمًا وبقولہ تعالی عبس وتولی ان جائہ الاعمی وما یدریک لعلہ یزکی اویذکر فتنفعہ الذکری اما من استغنی فانت لہ تصدی وما علیک الا یزکی وبقولہ عزوجل قد افلح من زکھا وبقولہ تبارک وسیجنبھا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی

نے مجھکو نماز ۔ زکوٰۃ کا جبتک کہ میں زندہ رہوں حکم دیا ہے ۔ خداوند تعالیٰ نے مجھکو اپنی والدہ سے نیکی کنندہ بنایا ہے ۔ استدلال اسطرح پر کرتے ہیں کہ اگر مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ ہوتے تو بلاشبہ آدائے صلوٰۃ ۔ زکوٰۃ ۔ والدہ سے احسان کرنے کے ساتھ مامور ہونے چاہئیں حالانکہ آسمان پر ہوتے نہ تو زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے اور نہ والدہ سے نیکی کر سکتے ہیں ۔ پس حکم الٰہی کا خلاف لازم آویگا ۔ الجواب ۔ یہاں پر زکوٰۃ مالی کی زکوٰۃ مراد نہیں ہے ۔ بلکہ طہارۃ جو اس کا حقیقی معنے ہی مراد ہے نہ اور کچھ جیساکہ اس آیت میں جس کا مضمون ہے کہ جو پاک ہوا وہ اپنے آپکے لئے پاک ہوتا ہے ۔ انکی خدا نے اس بات کا ارادہ کیا کہ اسکے بدلہ ایسا ولد دے کہ پاکیزگی میں ۔ صلہ رحم میں بہتر ہو ۔ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترش روئی کی جسوقت آپکی خدمت میں نابینا حاضر ہوا کس چیز نے آپ کو یا رسول جتلایا شاید کہ وہ پاک ہو جاتا ۔ یا نصیحت قبول کرتا ۔ پس اسکو نصیحت نفع دیتی ۔ اور جو دولت مند ہوتا ہے آپ اسکی طرف ہی التفات کرتے ہیں ۔ آپ اسکے ذمہ وار نہیں کہ اگر وہ پاک نہو ۔ بلاشبہ اس شخص نے خلاصی پائی کہ جس نے اپنے آپکو پاک کیا ہے ۔ عنقریب کہ اس سے ہٹایا جاویگا وہ شخص جو مالدار ہے مالکو خدا کی راہ میں اسلئے خرچ کرتا ہے کہ وہ پاک ہو جاوے ۔

[1] حضرت مصنف علام ادام اللہ فیوضہم کی تقریر سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس بیہودہ اعتراض کا اور بھی جواب ہے وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ مالی جبھی فرض ہوتی ہے کہ مالک نصاب بھی ہو پس ہنگام اسلام اس کے کہ مسیح علیہ السلام تجارت یا خوراک کے لئے مال آسمان پر لیگئے ہیں ؟ قائل نہیں ہیں لیکن یہ ثابت ہو ۔ لہذا مسیح پر آسمان پر زکوۃ بھی فرض نہیں ہو سکتی ۔ مترجم

Marfat.com

وغير ذلك من الآيات وعلى هذا فعدم تصور امتثاله بهذا الامر خفي غاية
الخفاء وتصوره ظاهر كمال الظهور وان خفي على من عمي عمى المبتدع الفجور واما لزوم
ايتمار المسيح عليه السلام ببر والدته حال كونه في السماء بهذه الاية فغير ظاهر لان
قوله تعالى برًّا بوالدتي ليس معطوفا على مدخول الجار المتعلق بقوله واوصاني حتى يلزم
ذلك اذ لو كان كذلك لكان مجرورا مثل معطوفه ولم يكن منصوبا ولقرئ قوله بِرًّا
بكسر الباء لا بفتحها لئلا يلزم كون من يقوم به البر مأمورا به كما ان الصلوة والزكوة
مأمور بهما مع كونه بديهي البطلان لضرورة ان ما يؤمر به او ينهى عنه انما هو الافعال
دون الذوات فاجماع القراء على فتحها آبٍ كل الاباء عن كونه معطوفا على ذلك المتعلق

وغیرہ۔ اب دیکھو ان آیات میں زکوٰۃ کا معنی بجز تزکیہ نفس کے اور کچھ نہیں ہے ویسے ہی
مسیح علیہ السلام کو بھی تزکیہ نفس کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ ہر جگہ ہو سکتا ہے۔ زمین پر ہو یا آسمان پر
پھر کہیئے کہ انکے آسمان پر ہونے سے خلاف حکم الٰہی کیسا لازم آیا چنانچہ ظاہر ہے۔ گو ان
لوگوں پر جو مبتدعین اور فاجرین کی طرح بصارت نہیں رکھتے ہیں" پوشیدہ ہو
رہی یہ بات کہ مسیح علیہ السلام کو گو آسمان پر ہی مستقر مان لئے جاویں والدہ سے احسان نہیں
کر سکتے اور یہیں خلاف حکم الٰہی لازم آتا ہے" سو واضح ہو کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ اس صورت
میں لازم آتا کہ اگر بَرًّا الصلوٰۃ پر جو اوصانی سے متعلق ہے" معطوف ہوتا۔ کیونکہ اس تقدیر پر
یہ معنے ہوتا کہ مجھکو خداوند تعالےٰ نے نماز کا اور والدہ سے نیکی کرنے کا حکم دیا ہے جبتک کہ
میں زندہ رہوں لیکن بَرًّا تو اس مجرور پر معطوف ہی نہیں ہے اسلیئے کہ اگر اس پر معطوف ہوتا تو
بَرًّا منصوب نہوتا۔ بلکہ مجرور ہوتا اور بِرٍّ پڑھا جاتا۔ نیز بَرًّا کی با کو زیر دیجاتی نہ زبر اگر بِرٍّ ہوتا۔ تو
اسکا معنے خالی نیکی ہوگا۔ نہ نیکی کنندہ کیونکہ نیکی کنندہ تو بَرًّا کا معنے ہے۔ پس چاہیئے تھا کہ بِرٍّ پڑھا
جاتا نہ بَرًّا۔ ورنہ لازم آویگا مامور بہ مسیح ہوں کہ جنکے ساتھ بر قائم ہے جیسا کہ نماز۔ زکوٰۃ مامور بہا
ہیں حالانکہ مامور بہ فعل ہوتا ہے نہ ذات اسلیئے کہ ذات کا مامور بہا ہونا صریح باطل ہے۔
پھر کہیئے کہ قرآن شریف میں بَرًّا (منصوب برا) قدیم الایام سے کیوں لکھا چلا آیا ہے۔ کیوں ہمیشہ
بَرًّا پڑھا جاتا ہے۔ پس قرآء کا اجماع بَرًّا ہی پر اسکے صلوٰۃ پر معطوف ہونے سے انکاری ہے

Marfat.com

وَ الا لا حتیج لتصحیح الکلام و الاحتراز عن المحذور المذکور الی تکلف حمل الصفۃ المشبھۃ علی المصدر مع ان الضرورۃ غیر داعیۃ الی ھذا التکلف لامکان تصحیح ذٰلک الکلام من غیر تکلف بعطف بَرًّا علی قولہ نبیا فیکونان مفعولین بقولہ تعالیٰ وجعلنی من قبیل عطف المفرد علی المفرد و بعطف جعلنی المقدر قبل قولہ بَرًّا علی قولہ وجعلنی الملفوظ صریحًا فیکون من قبیل عطف الجملۃ علی الجملۃ وتمام الاٰیۃ قال انی عبد اللّٰہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا مبارکًا این ماکنت واوصانی بالصلوۃ والزکوۃ مادمت حیًّا وبَرًّا بوالدتی وعلی ھذا التوجیہ الصحیح الخالی عن المحذور والتکلف لم یلزم توجہ ھٰذا الامر الیہ علیہ السلام وجوب امتثالہ بہ حال کونہ فی السماء ایضًا علی انا

ہاں اگر بَرًّا کو باوجودیکہ منصوب الرا والباء ہے مجرور پر معطوف سمجھیں گے۔ تو اسمیں یہ قباحت ہے کہ اعتراض سابق کے دور کرنے کے لئے صفت مشبہ بمعنی مصدر لینا پڑے گا۔ بائیطور کہ بَرًّا جو بمعنے نیکی کنندہ اور صفت مشبہ ہے (جیسا حسن) اسکا معنی بِر ہے یعنے نیکی۔ حالانکہ یہ ایسی بناوٹ ہے۔ کہ اسکا داعی ہی موجود نہیں۔ وجہ یہ ہے۔ کہ بَرًّا کو نبیًا پر معطوف کرکے اصلی معنی (نیکی کرنے والا) میں مستعمل کرنا جانتا ہے۔ اب کونسی ضرورت درپیش ہے جس لئے وہ چھوڑا جاوے۔ جاننا چاہیے کہ جب ہم بَرًّا کو نبیًا پر عطف کریں چنانچہ قرآن میں بھی ایسا ہے تو جعلنی کے دو مفعول ٹھیرے۔ ایک نبیا دوسرا بَرًّا۔ اور یہ عطف مفرد کے مفرد پر عطف کرنے کے طرز پر ہوگا۔ اور اگر بَرًّا سے پہلے ہی جعلنی مقدر مانا جائے اور یہ جعلنی پہلے صریح جعلنی پر معطوف کردیں تو یہ عطف جملہ کے جملہ پر عطف کردینے کے طریق پر ہوا۔ پوری آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدا کا خاص بندہ ہوں۔ اوس نے مجھکو انجیل عنایت فرمائی۔ مجھکو نبی مبارک کہیں پر رہوں بنایا۔ اسنے مجھکو نماز۔ زکوٰۃ کا جبتک کہ زندہ رہوں حکم دیا ہے۔ اوسنے مجھکو اپنی والدہ پر نیکی کنندہ بنایا ہے۔ پس وہ توجیہ جو ہم بیان کر آئے ہیں تکلف اعتراض سے بری ہے اور اس توجیہ پر بنا کرکے مسیح م کا آسمان پر ہوتے ہی والدہ سے نیکی کرنے کے ساتھ مامور ہونا لازم نہیں آتا۔

Marfat.com

وان سلمنا التوجيه الذی ذکرہ ذالک وقطع النظر عن لزوم المحذور والتکلف فلا نسلم ان ایمارہ بھذا الامر فی تلک الحال غیر متصور اذالبر کما ھو متصور فی زمان حیاۃ البار والمبرور الیہ کلیھما کذالک یتصور فی زمان ممات المبرور الیہ بالاستغفار لہ واھداء ثواب الطاعات الیہ فجزم المستدل بعدم امکان بر المسیح علیہ السلام بوالدتہ فی تلک الحالۃ جزم فی غیر محلہ وجملۃ المرام وخلاصۃ الکلام ان المسیح رسول اللہ حی الی الآن ومرفوع الی السماء بجسدہ وھذہ المسئلۃ

کیونکہ بریں تقدیر مَا دُمْتُ حَیًّا (جبتک کہ زندہ ہوں) کی قید اگر ہے تو صلوۃ۔ زکوۃ کی فرضیت کے واسطے ہے۔ نہ بَرًّا کے لئے۔ اگر ہم کادیانی کی توجیہ کو ہی مان لیں گے۔ عتراض بتکلف مذکورین سے قطع نظر کر لیں تو پھر اس بات کو کہ مسیح علیہ السلام کا آسمان پر ہوتے والدہ سے بار ہونا متصور نہیں تسلیم نہیں کریں گے۔ کیونکہ احسان جیساکہ نیکی کنندہ اور نیکی کردہ شدہ کی حیات میں متصور ہے۔ ویسے ہی جس زمانہ میں نیکی کا مستحق مرگیا ہو۔ اسپر احسان کرنا متصور ہے۔ کیا اسکے لئے استغفار اور دعای ترقی درجات اور ثواب پہونچانا احسان نہیں بیشک احسان ہے لیکن یہ تو آسمان پر ہوتے بھی خواہ مستحق زندہ ہو۔ یا مردہ۔ متصور ہے۔ لہذا کادیانیوں کا یہ حکم بالجزم کہ آسمان پر ہوتے احسان متصور نہیں۔ کیسا ہی محل ہے خلاصہ کلام کہ مسیح علیہ السلام خدا کے رسول ابتک زندہ ہیں اور آسمان پر بجسدہ موجود ہیں سب یہی کہ یہی بات

ف حضرت مصنف مرشد الکل کی تقریر سے مترشح ہوتا ہے کہ ما دمت حیا بنیا مبارکا کے لئے بھی قید نہیں ہوسکتا ورنہ لازم آویگا کہ مسیح بعد الموت نہ نبی ہوں اور نہ مبارک العیاذ باللہ۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر ما دمت حیا برا کی قید ہی مان لیں تو حاضر ہونا خاص خدمت کے لئے شرط ہے دیکھو مسیح ؑ یا اور کوئی خدمت خادمہ کے ساتھ تب ہی مامور ہے کہ جبکہ حاضر خدمت ہو۔ اس لئے اگر بیٹا سفر میں اور والدین یا ایک نیں سے مقیم ہو تو خاص خدمت اسی فرد ری سفر میں فرض نہیں ہو سکتی ورنہ چاہئے تھا کہ مسیح ؑ جس حالت میں تبلیغ کے لئے مسافر اور والدہ سے جدا ہوئے تب اس خاص مراد خدمت کی ترک سے گنہگار تھے نعوذ باللہ نہ یا تو ثابت کردیں کہ مسیح ؑ والدہ سے کبھی بھی زمین پر ہوتے جدا نہیں ہوئے تو ناہم کچھ بن پڑے گا۔ لیکن اسکا ثبوت کہاں ہے ۱۲ مترجم

Marfat.com

وصاحب الوجيز والبيضاوي القول بوقوع موته الى النصارى ولذا قال في الوجيز
حيوة المسيح مما اجمع عليه المسلمون واخبر الحافظ ابن القيم والفاضل اللكهنوي نقلا
عنه بتحقق اجماع المسلمين كلهم على حياته عليه السلام فلم يبق للمنقول عن وهب
محمل سوى ذلك الاحتمال ولئن تاملت في رسائل الكاديانى ما وجدت
دليلا لا شرعيا ولا عقليا بيده على ما ادعاه ووجدت اقوى دلائله ما لا يعده اولو
العقول دلائل بل استبعادات عادية واستيحاشات بعادم مؤانسته كما هو داب
ارباب الجهالات من عدل الاستبعاد استدلالا كاستدلال بعض كفرة ايام
الجاهلية باستبعاد احياء العظام وهي رميم وقال عز منه الله الحميد في كتابه
المجيد حيث قال عز وجل اولم ير الانسان انا خلقناه من نطفة فاذا هو خصيم
مبين. وضرب لنا مثلا ونسي خلقه قال من يحيي العظام وهي رميم وكاستدلال
بعضهم كما حكى الله تعالى اجعل الالهة الها واحدا ان هذا لشيء عجاب وكثير من

اور صاحب وجیز نے اس قول کو نصارٰی کی طرف منسوب کیا ہے بھلا ایسا کیوں ہو۔ وجیز
میں لکھا ہے کہ مسیح ؑ کے ابتک زندہ ہونے کے بارہ میں اجماع ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اور
فاضل لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نقلًا بیان کرتے ہیں کہ کل مسلمانوں کا مسیح علیہ السلام کے زندہ ہونے
پر اتفاق ہے۔ لہذا وہب کی نقل کے واسطے اور کوئی محمل ماسوا اسکے جو ہم بیان کر آئے ہیں نہیں
ہے۔ اے ناظرین اگر آپ کادیانی کے رسائل کو غور سے دیکھیں گے تو واضح ہو جاویگا کہ کادیانی
کے پاس نہ تو شرعی اور نہ عقلی دلیل ہے۔ صرف یہی دیکھینگے کہ اسکی انجرلکی کہ یہ خلاف عادت ہے
یا بعید ہے اور کچھ نہیں۔ یہی اسکا بھاری تمسک ہے لیکن یہ داب ان لوگوں کا ہے کہ جنکو علم نہیں
ہے یہ ایسا ہے کہ جسطرح زمانہ جاہلیت میں کفار بوسیدہ ہڈیوں کے زندہ ہونے کو (قیامت کو)
بعید اور محال جانتے تھے چنانچہ خداوند تعالیٰ اسکی قرآن میں خبر دیتے ہیں کہ انسان نہیں سمجھتا ہے
کہ ہمنے اسکو نطفہ سے پیدا کیا ہے اب وہ ظاہر جھگڑالو بن گیا ہے اور وہ مثال بیان کرتا ہے اور
اپنی پیدائش کو بھول گیا ہے۔ یہ انسان کہتا ہے کہ خداوند عزاسمہ قیامت کو بوسیدہ ہڈیوں کو
کیسے پیدا کریگا یعنے کافروں کا اسکو بعید سمجھنا بالکل باطل ہے کیونکہ جسحالت میں کہ انسان کو منی سے

Marfat.com

هذه الامثال مذكورة في كتاب المستطاب وقد حصل الفراغ من تحرير هذه
الرسالة النافعة سنة الف وثلثمائة واحدى عشر من الهجرة النبوية على صاحبها
الوف الوف صلوة وتحية والمرجو من المطالعين لها ان لا ينسوني من ادعيتهم
في خلوات اوقاتهم بالعافية والانسلاك بمسلك اهل السنة والاختتام
بحسن الخاتمة وليكن اختتام الرسالة بهذا الكلام وعلى الله التوكل وبه الاعتصام
واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله على خليفته وخير خليقته محمد واله و
صحبه وعشيرته ومن تبعهم الى يوم الدين اجمعين ۝

پیدا کر سکتا ہے تو وہ ہڈیوں کو زندہ کیوں نہیں کر سکتا ہے ہڈی تو بذکر دہ ہی انسانیہ کیطرف اشارہ ہے۔ اسی طرح پر کافروں کے استبعاد سے قرآن شریف میں یوں خبر دی گئی ہے کہ کافروں نے کہا ہے کہ معبود کا ایک ہی ہونا عجیب ہے غرضکہ اسیطرح پر قرآن شریف میں کافروں کے استبعادات بیان فرمائے گئے ہیں۔ مگر خوف طول سے تھوڑے ہی پر بس کیگئی۔ فائدہ قادیانیوں اور نیچر پسندوں نے در حقیقت محال اسکو بھی سمجھ لیا ہے جو نادر الوقوع ہو نیز اسکو جو انکی عقل سے بعید ہو۔ مگر تعجب ہے آپ کے دلیل قتال الرجال ہے فراس گاہ تعریف و حال رکھتے ہیں۔ اپنی عالی فہمی پر تو اتنے نازاں ہیں کہ علماء و فضلائے اسلام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ محال کس چیز یا کا نام ہے۔ بہر حال اس میں تمیز نہیں رکھتے کہ محال اور ہے اور نادر الوقوع اور ہے۔ رہی عقل سو اگر انکی عقل سے بعید ہے تو اہل اسلام کی عقل کے نزدیک ایسے امورات کا خداوند تعالی سے ظہور بالکل آسان ہے اور وہ قادر مطلق ہرگز ایسے امورات کے پیدا کرنے میں عاجز نہیں گو انکی عقل اسے عاجز سمجھ رکھے۔ نیز انسان کی عقل کیا غلطی سے مبرا ہے تو پھر وہ کیوں اپنی عقلوں پر بھروسہ کر کے نقول قطعیہ کو تاویلات رکیکہ سے مطابق عقل بنانا چاہتے ہیں۔ کیا ایک امر یقینی کو غیر یقینی پر محمول کرنا داب دانش مندی ہے۔ انتہے

حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ بلاشبہ اس کتاب کے لکھنے سے جو لوگوں کے لئے نافع ہے ۱۳۱۱ ہجری میں ہم فارغ ہوئے۔ آپ ناظرین سے التماس ہے۔ کہ اپنے خاص وقتوں میں ہمکو دعائے حسن خاتمہ و اتباع سنت یاد کرتے رہیں اسی کلام سے اس کتاب کا اختتام بھی ہوا۔ خداوند تعالی ہی پر بھروسا ہے آخر ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ تمام تعریف خاص خدا کو ہے اور رحمت خدا کی اس نائب خدا پر جو حبیب بہترین خلق اور انکی قوم کیا اولاد کیا یار وغیرہ پر رحمت نازل فرماوے

Marfat.com

قد حصل الفراغ سنه ١٣ه الف وثلاثمائة واحدعشر في عاشر الجمادى الاولى يوم
الاثنين من الترجمة الهندية للكتاب المسمى بالالهام الصحيح في اثبات
حياة المسيح الذي هو من تصانيف العلامة الجامع العلوم النقليه والعقليه
كاشف استار الحقيقة المرضية الفاضل اللوذعي اليلمعي محيط دائرة الاسرار
محرز قصبات العلوم القمقام النحرير الطمطام المفيد والمفيض في الليل والنهار
كانه السحاب المدرار **شعر** كتاب صنفه حبر امام + كتاب لم يجد
مثله كرام + هو السباح في بحر الصلاح + فيغبطه عضوم والعقام +
انوار السعادة والفضائل من وجنتيه لامعة واثار الصلاح والعرفان من جبينه
ساطع ورايات العلوم بذاته وبقائه بعد ما خفضت شامخة ولعمري وان يبغضه
اهل الهواء كما هو دابهم من الابتداء اذهم يرضون بان يتواضع الفضلاء
الصلحاء بين ايديهم وان يختار واعقائدهم الباطلة كمن كان في زي العلماء
ويكون جليسهم فلا شك انه يحبه الصلحاء والابرار في الاطراف والامصار
ولا عبرة باتباع الاراذل الجهلة الاشرار كيف فان المتبوع من يحبه الله لا من
يحبه من لا يرضى عنه الله وبالجملة هو بين الفضلاء الصلحين كالبدر بين النجوم
ومرجع الفتاوى الباذل نفسه في اشاعة السنة السنيه ودافع لوساوس الخناس الجنية والانسية
صدر الفحول الواصل على اوج القبول عمنا واستادنا واليه استنادنا بل استاد
الكل حضرت مولانا المفتي **محمد غلام رسول** (پير) الحنفي مذهبا
والنقشبندية المجددية طريقة والقاسمي عرفاً المسترشد المجاز من عارف الله الاحد
خواجه دين محمد المعروف بحضرات ملاجي الخليفة والمجاز وصاحب السجادة
وابن العارف ومظهر الخوارق محبوب الله الصمد خواجه نور محمد المعروف بـ
التيراهي وجراهي صدقنا متع الله المسلمين بطول بقائه ورحم الله من قال
امينا وانا اضعف عباد الله الاعلى ابو الحسن غلام مصطفى ابن ذي الروح

له بسیار خوار مراد چارپا صفت ١٢
له عربده ١٢

والعلم والتمیز (پیر) عبد العزیز الکشمیری مولدًا والامرتسری مدفنًا والنقشبندی المجددی النوری طریقتًا والقاسمی نسبًا رحمہ اللہ علیہ وعلی اسلافہ الصّالحین وانی مع قلۃ بضاعتی ونقص صناعتی زدت الترجمۃ علی الاصل تارۃ فصارت کانہا شرح مختصر وانتخبتہ مرۃ اخری وتحشیتہ بحواشی مفیدۃ وذٰلک للتسہیل علی اہل الخبرۃ فما ظنک بالجہلۃ فی زی العلمۃ فالحمد للہ علی الاختتام ونسئلہ العصمۃ عن الخطاء وجور الاعداء الظاہرۃ والباطنۃ اللئام ونصلی علی رسولہ الکریم وآلہ وصحبہ الف الف الصلاۃ والتسلیم ومن تبعہم بالاحسان آمین برحمتک یاکریم انت بنا رؤف رحیم وبک نستعین ونتحصّن بالف الف لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ط

تنویر البصر فی کسوف الشمس والقمر

آجکل سننے میں آتا ہے کہ بعض لوگ مثل کے اندر سے بیان کرتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ مسیح کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن ہوگا۔ سو چونکہ اس رمضان میں جو ۱۳۱۱ ہجری میں واقع ہوا ہے چاند اور سورج دونوں کو گرہن ہوا۔ تو کادیانی کا مسیح موعود ہونا ثابت ہوگیا ہے۔ سو واضح ہو کہ اولاً مدعی پر لازم ہے کہ ایسی روایات کا قابل احتجاج ہونا ثابت کرے۔ ورنہ کس طرح یہ کسوف وخسوف مسیح کی علامت ٹھہریگا۔ دوم کہ رمضان میں کسوف وخسوف کا ہونا امام مہدی علیہ السلام کے خروج وظہور کی علامت ہے نہ مسیح موعود کی شاید اسکے جواب میں یوں کہدیں کہ کادیانی مہدی ہونیکا بھی دعوی کرتا ہے تو صاحبو یہ بھی غپ ہے۔ جیسا کہ اس کا مسیح موعود ہونا از قبیل اسخ ہے۔ ہاں وہ اپنے مونہہ سے جو کہینگے کہتے جاویں ﮯ بیحیا باش ہرچہ خواہی کن۔ مگر علماء اسلام اور فہمیدہ لوگ ایسی غپ پر ہرگز یقین نہیں کرتے۔ کیونکہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ مہدی موعود حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہونگے۔ امیر المؤمنین حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مہدی علیہ السلام مدینہ منورہ میں پیدا ہونگے۔ احادیث میں آیا ہے کہ وہ تمام دنیا کے

حاکم ہونگے۔ اب دیکھئے کہ کادیانی کیسے مہدی کہلا سکتے ہیں وہ حضرت سیدۃ النساء کی اولاد اور
مرزا صاحب مغل کی اولاد میں سے۔ وہ امام مدینہ منورہ میں تولد ہونگے۔ کادیانی صاحب کادیان ضلع گورداسپور
میں پیدا ہوئے۔ وہ برگزیدہ بادشاہ عالم ہونگے۔ مرزا کاشتکار۔ اگر مدینہ منورہ سے کادیان مراد رکھ لینگے [illegible]
دمشق سے کادیان ہی زعم کرلیا ہے۔ اولاد سیدۃ النساء میں سے ہونیکو مشابہت پر محمول کرلینگے [illegible]
سے تسلط باطنی۔ نیز مردود ہے کیا ہو سکتا ہے کہ لفظ مدینہ بولا جاوے اور کادیان مراد رکھ لیا جاوے۔
چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔ اور پھر اس قسم کے بے محل استعارات کے واسطے کونسی ضرورت داعی ہے۔
یہ تو صرف ہیکڑ بازی ہے۔ رہی یہ حدیث "لا مھدی الا عیسیٰ" سو یہ قابل احتجاج نہیں ہے کیونکہ صحت
تک نہیں پہونچی ہے چنانچہ محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے صواعق میں اور دوسرے محدثین نے اسکی تصریح
کی ہے۔ سوم جن روایات سے یہ لوگ یہ خسوف و کسوف ثابت کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔ علی بن عبداللہ ابن عباس نے فرمایا
کہ مہدی تب تک خروج نہیں کرینگے جبتک آفتاب سے کوئی نشان ظاہر نہ ہو [illegible]
لئے دو نشان ہیں ایک کہ چاند کو رمضان کی پہلی رات میں اور سورج کو پندرھویں تاریخ کو گرہن ہوگا [illegible]
میں لکھا ہے کہ چاند کو رمضان میں دو بار گرہن ہوگا۔ نیز شریک سے روایت کی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور
سے پہلے رمضان میں چاند کو دو بار گرہن ہوگا۔ من حجج الکرامۃ فی آثار القیامۃ۔ اب کہیے کہ مرزا صاحب کیسے مہدی
بن سکتے ہیں اولاً مطابق روایات مذکورہ کے چاہئے تھا کہ گرہن پہلی رات اور پندرھویں تاریخ کو ہو۔ لیکن واقع
میں ایسا نہ ہوا بلکہ رمضان گذشتہ میں چاند کو چودھویں رات اور سورج کو انتیس تاریخ میں گرہن ہوا چنانچہ
تمام دنیا پر واضح ہے۔ پنجابیوں میں یہ مثال کہ واہ الٹی سمجھ والے [illegible]
مشہور ہے سو اس موقع پر خوب چسپاں ہے۔ دوم کہ چاہئے تھا کہ چاند کو دو بار گرہن ہو لیکن ماہ مذکور میں ایک ہی بار
ہوا۔ پھر فرمائیے کہ مرزا کے لئے یہ خسوف و کسوف کیسے حجت ہو سکتا ہے۔ سوم روایات مذکورہ سے یہ بات پائی جاتی
ہے کہ مہدی موعود کے ظہور سے پہلی یہ علامتیں ظاہر ہونگیں لیکن مرزا کا خروج تو [illegible] سال اس خسوف و کسوف
سے پہلے ہو چکا۔ واہ حدیث فہمی ہمارے دشمن اس بات پر تو [illegible]
نہیں آتا کہ صاحب علامات بھی اسکے پہلے یا پیچھے اور پھر قریب قریب ہی موجود ہو [illegible]
کتنی ہی پائی گئی ہیں اور موافق اقوال مرزا صاحب تو غالباً سب ہی علامتیں [illegible]
ابھی تک نموجود ہی نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کب ہوگی [illegible] خسوف و کسوف جو واقع ہو [illegible]

Marfat.com

اگر یہی مہدی کی علامت ہو تو اس سے کب لازم آتا ہے کہ مہدی موجود ہو چکا ہو۔ یا بعد ازاں فی الفور ہی موجود ہو جائے نہیں جائز ہوگا کہ مہدی اس سے متاخر سالہاسے سال ہو۔ علاوہ بریں مہدی موعود کے ظہور کی یہی چند نشانات ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اور بھی ہیں۔ دیکھو حسین بن صامت نے حسین بن علیؓ سے سوال کیا۔ کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی نشانی انکے ظہور سے پہلے ہی کوئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بنی عباس ہلاک ہونگے بعد ازاں ایک سفیانی انپر خروج کریگا۔ اور وہ زمین بیدا میں دھنس جاوے گا۔ غرضکہ حضرت امامؓ نے فرمایا۔ کہ یہ علامتیں یکے بعد دیگرے ظاہر ہوویں گی۔" بنی عباس تو ہلاک ہو چکے ہیں باقی دو علامتیں ابھی تک ظاہر نہیں ہوئیں ملخص از حجج الکرامۃ۔ لہذا یہ دو علامتیں بھی جبتک کہ نہو لیں تب تک کوئی مدعی نہیں ہو سکتا ہے۔ علی ہذا القیاس اور بھی نشانات ہیں کہ ابھی تک وہ ظاہر نہیں ہوئے ہیں۔ چنانچہ واقفان حدیث و تواریخ پر واضح ہے۔ رہے بے محل استعارات اور خرافات۔ سو انکا کیا ٹھکانا۔ اور اعتبار ہے۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے کادیاں کے مخالف نیک مسلمانوں کو اپنے رسالہ میں یزیدی وغیرہ قرار دیا ہوا ہے سو صاحبو یہ زبان درازی اور ایک بیہودہ بکواس ہے۔ ایسے مرادی معنے کے لینے سے دانشمند لوگ ہرگز خوش نہیں ہوتے بلکہ سخت نفرت ظاہر کرتے ہیں اور ایسے مضامین کو گندہ سمجھتے ہیں۔ ہاں معہذا اگر بعض سادہ لوح کور باطن ایسی رذل باتوں پر یقین کرینگے تو وہ جانیں۔ لیکن میں انکو پھر بھی نصیحت کرتا ہوں اور یاد دلاتا ہوں کہ بھائیو تم ان دعاوی کی طرف التفات نہ کرو۔ ایسے دعاوی تو اس زمانہ سے پہلے ہی ہو چکے ہیں۔ سید محمد جونپوری نے مہدی ہونیکا دعوےٰ کیا۔ شام میں ایک ایسے ہی شخص نے مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کیا تھا۔ چنانچہ تواریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا۔ دور کیوں جاتے ہو لاہور میں اسی زمانہ میں ایک سبزی فروش موجود ہے وہ جابجا کہتا ہے کہ میں مہدی ہوں۔ خوب مسیح موعود کاشتکار۔ اور مہدی سبزی فروش مصرعہ ایخنیں قوال را باید و صولی انچنیں۔ ؎ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔" پیارے سادہ لوحو تم کیوں آجکل کے دعاوی پر ایمان لاچکے ہو۔ کیوں نہیں کہدیتے ہو کہ آجکل کے دعاوی ویسے ہی غلط ہیں جیسے کہ پہلے بعض طالبان دنیا نے جھوٹے دعوےٰ کئے ہیں۔ کیوں آجکل کے خرافات کے سنتے ہی گھبرا گئے ہو اتنا تو خیال کرو۔ کہ زمانہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آجتک کسی پیشوائے دین نے آیات و احادیث کے یہ معنے کئے ہیں جو آجکل کے مدعی کرتے ہیں۔ آخر تمام پیشوایان دین کو غلط فہم کہوگے۔ لیکن

Marfat.com

اس صورت میں بے شک ایسے لوگ اسلام کے دشمن سمجھے جائیں گے۔ باز آؤ۔ باز آؤ۔ باز آؤ۔
مسلمانوں میں تو پہلے ہی اختلافات اور جھگڑے ہیں تم نے اور بھی مسلمانوں میں تفرقہ بڑھا دیا ہے
تعجب ہے کہ جو لوگ آجکل مرزا کے مسیح موعود کے اثبات میں کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ واعظ حسن علی
صاحب جو آجکل مدراس و بنگلور میں اہل اسلام میں تفرقہ بڑھا رہے ہیں اور لوگوں کو مرزائی بنانا چاہتے
ہیں۔ گو وہ لوگ قبول نہیں کرتے ہیں۔ یہی امرتسر وغیرہ میں منبر پر چڑھکر رو رو کر کہتے تھے مسلمانو
سنت و مستحب کے جھگڑے انکو چھوڑو۔ آپس میں اتفاق پیدا کرو اب وہی دیکھئے فساد پر کمر بستہ ہیں۔
العیاذ باللہ غرضکہ حق سبحانہ و تعالےٰ اگر اسلام کی حفاظت کریگا تو مسلمان متفق ہی ہونگے۔ ورنہ
آجکل کے مدعیوں نے کوئی دقیقہ فساد کا باقی نہیں چھوڑا۔ پس اے بھائیو یہ جو میں نے لکھا ہے محض
نیک نیتی سے لکھا ہے تم اسے قبول کرو اور قدیمی عقائد کے پابند ہو رہو۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ
العلی العظیم

تمت

خاکسار

ابوالحسن غلام مصطفےٰ مترجم

تقریظ از صاحب فطانت و صلاح آگین و باعز و تمکین مولوی غلام محی الدین سلمہ اللہ المبین ابن اخ حضرت مصنف و برادر عینی مترجم

الحمد للہ الذی نجنا من مکائد الکائدین وحفظنا من شرور الملحدین فی
الدین والصلوۃ والسلام علی رسولہ وحبیبہ الذی اسری بہ من المسجد الحرام الی
المسجد الاقصی ومنہ الی السموات العلی وعلی الہ واصحابہ الذین اشاعوا دین الحق
والھدی اما بعد فھذا کتاب مستطاب مملو من البیان الفصیح المسمی
بالالہام الصحیح فی اثبات حیات المسیح نافع المسلمین وھادلک الین

الذین خلعوا من اعناقهم ربقۃ اجماع المؤمنین وانکروا صعود المسیح بجسدہ العنصری من الغبراء الی الخضراء ویکفرون بحیوتہ علیہ التحیۃ والثناء فحرر فیہ ثبوت حیاۃ المسیح وصعودہ من الارض الی السماء علیہ الصلوۃ من غیر عد ولا احصاء صنفہ الذی عم فیضہ فی الاکناف والاطراف وحصل منہ العلوم کثیر من الشرفاء وقلیل من الاجلاف وھو صاحب مکارم الاخلاق والالطاف عالم من العلماء الفحول مرجع الشیوخ والکھول جامع للمعقول والمنقول حاو للفروع والاصول نائب ابی البتول لایخاف لومۃ لائم مولنا واستاذنا وعمنا المفتی محمد غلام رسول (پیر) الحنفی النقشبندی الامرتسری الذی نسبہ الی حضرت القاسم بن حفظہ اللہ من شرور الملحد الظالم بحرمت حضرت ابی القاسم علیہ الصلوۃ والسلام من اللہ الحاکم وترجمہ اخی الاکبر منی سنا والاعلی علما المصنف العلام وابن اخیہ صاحب الورع والتقی محسود الجہلاء محمود عند العلماء الصلحاء مولوی ابو الحسن (پیر) غلام مصطفی القاسمی مصنف انوار محمدی (وغیرہ) عصمہ اللہ من البأساء والضراء ما دامت الارض والسماء وانا الراجی الی اللہ المستعان المعین غلام محی الدین القاسمی الامرتسری مولدا ومسکنا عفا اللہ عنہ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ؏ تمت

معہ قطعہ تاریخی

قصیدہ متضمن تاریخ از ابلغ بلغاء و افصح فصحا شعر فطانت شعار شرافت پناہ جناب میر شاہ صاحب خلف صاحبزادہ احمد رشید و ورع و تقی ذی جاہ پیر ولی احمد صاحب مرحوم کشمیری ثم الامرتسری

خدائے ہادی مطلق کہ از فیوض اسم سکون بارض و فلک داہوائے سیارے	ہمشت خاک عطا کرد درک کرد خشم مرا بعرش و سمک رقرار در قلزم

[illegible] تفسیر والتفریط [illegible]

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۷	[illegible]	سالطعم	ساطعة
[illegible]	[illegible]	[illegible] دنیا پر	لوگوں پر
[illegible]	[illegible]	[illegible]	روایات
"	۲۳	موجود ہی	وجود ہی
[illegible]	۳	مسیح موعود کے	مسیح موعود ہونے کے
[illegible]	۱۹	وہاں ملک امین	وہاں للضالین
[illegible]	۳۰	مسیح	عیسے
"	۱۶	[illegible]	[illegible]
[illegible]	۳	[illegible]	نعم
"	۶	[illegible]	تحیۃ
"	۹	[illegible]	احسلم

تصحیح اغلاط متن عربی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۱	لا ممیزون	لا یمیزون
۶	۱	عن	الی
[illegible]	[illegible]	[illegible]	احدهما
[illegible]	[illegible]	[illegible]	والا لم یحل
[illegible]	[illegible]	[illegible]	لانه لما
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۲۲	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	۴	مطلقه	[illegible]
۲۷	۷	ووالثلب	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	فرق
[illegible]	[illegible]	[illegible]	حقیقیا
[illegible]	[illegible]	الحملة	الجملة
[illegible]	۵	[illegible]	+
"	۱۰	[illegible]	شئ
۶۵	۱	قبل	[illegible]
[illegible]	۱	ومن	من
۷۰	۵	لاینافی	الذی لاینافی
۷۱	۳	المنصف	المنصف
۷۴	۱	یتحرك	تحرك
۷۸	۷	ذبلم	نسلم
	۱۰	عین	تعین
۸۰	۸	صرتبتہ	صرتبتہ
۸۳	۲	لما تکن	لما لم تکن
۸۹	۳	بھذه	بھذه
۹۰	۱	الناقص	الناقص
۹۱	۷	الضال	الضال
"	۹	التوافق	التوافق بالعربیة
۹۲	۷	لم یتعلم	لم یتعلم
۹۳	۴	تادیة	تادیة
"	۸	توجب	لوجب
۹۴	۱	بماثلة	یماثله
"	۲	التشبیه	یشبهه
[illegible]	۴	الحالی	الخالی
"	۸	توجیه	من توجیه
۱۰۲	۳	فاخذو	فاخذوا

Marfat.com

قطعہ ... الحجاب ... پیر سید ... صاحب ...

اے مسلمانو کہو ... کو ایک ...
... انشتر ... جانے لگا
عالم و فاضل رہا پھر کون اتنا کہہ تو دیں
کلانا بھی جب آنکھ میں سر کو گھسانے لگا
الغرض بے اختیار نکلا بہا طوفان یوں
کادیانی خچری اور دلکو بہکانے لگا
استعاروں سے وہ سمجھا چیستان قرآن کو
غیر خسران ایسے دعوے میں پکیا پانے لگا
شان حضرت میں ہے جو ... اسمہ احمد نزول
دین حق کو کیوں بھلا اے شوخ تو ڈھانے لگا
... کیسے اجماع کو اجماع کو مانے ہے ...
... اسلئے نادان تجھے ہر ایک ... لگا
گردن گردن کشاں کی قطع کرنے کے لئے
نام ہے جنکے مخالف خود ہی گھبرانے لگا
انکی تصنیف ہیں ایسا ...
عرش اعظم سے صدا ...
یہ رسالہ ہے ...
غم نہ کر اب تو کادیانی آپ مر جانے لگا
ہے حقائق ... نقلی ...
گلشن اسلام اس سے تازگی پانے لگا
کیوں نہ ہو ایسا ذکی ایسا فہیم ایسا عقیل
جب ہے اولاد محمد ... لگا
انکی کوشش سے ...
راہ گم کردوں کو ... لگا

... طرح شیطان بہکانے لگا
... پھر تو حلت و حرمت میں آہ
جاہل ظالم ... تسلیم جتلانے لگا
... سمجھے انکر الاصوات
مورسا عاجز سلیمان ... کہلانے لگا
کرکے دعوائے مسیحیت وہ ...
اور حدیثوں کے وہ الٹے معنی ... لگا
یہ نہ سمجھا میں کہاں اور حضرت عیسیٰ کہاں
میری ... باپ ... لگا
حق کہ ...

کردیا آزاد سبکو قید امر و نہی سے
نے ممیز کوئی رہا - پایا جو ...
ناز و غمزہ اس ...
...
کہکے ... شیطان ... لگا
بلکہ ... کہانے ...

ملہم ہوکر یہ رسالہ سال ہجری ...

Marfat.com